Ahlus Sunnah
Volume No.9, Issue No.112, May 2021

ماہنامہ

مئی ۲۰۲۱ء

جلد: ۹
شمارہ: ۱۱۲

فی شمارہ Rs. 30/-
سالانہ Rs. 300/-

اھل السنۃ
Ahlus Sunnah
اتباع الکتاب والسنۃ بفھم سلف الأمۃ

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی   **نگراں** : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی
رابطہ نمبر: 8657458182

نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی
رابطہ نمبر: 8291063765

معاونین : ابوالبیان رفعت سلفی • حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمیٹنگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی • **گرافک ڈیزائنر**: طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی،ای،او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی • دکتور عبیدالرحمٰن مدنی • شیخ نورالحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

نوٹ: اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبر شپ کے لیے اوپر دیئے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: • Current Account : ICICI Bank • Account Name : Ahl us Sunnah
A/c No:102805001781 • IFSC Code : ICIC0001028 • Andheri Link Road Branch

Add:Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website : http://ahlussunnah.net | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام وراثت ونظام زکاۃ اور برصغیر کے مسلمان	کفایت اللہ سنابلی	05
بوقت افطار دعا کی خصوصی فضیلت سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق	از: کفایت اللہ سنابلی	06
کتاب ''چار دن قربانی'' پر اعتراضات کے جوابات (آٹھویں قسط)	زبیر یحییٰ عالیاوی	12
خطبۂ غدیر خُم اور اہل بیت کے حقوق (قسط نمبر:٦)	ارشاد الحق اثری	19
فہمِ سلف کے مطابق قرآن وسنت کو سمجھنے کی ضرورت واہمیت	تحریر: إبراہیم بن عبداللہ المزروعی	24
مبادئ توحید ربوبیت (قسط:١)	عبیداللہ الباقی أسلم	34
مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کی تفسیر سورۃ الفاتحہ (ام الکتاب)۔۔۔	ابوالبیان رفعت سلفی	41
ماہ رمضان اور ہماری ذمہ داریاں	ممتاز احمد سلفی: گلبرگہ	42
کیا رمضان المبارک میں صدقہ کرنا افضل ہے؟	حافظ اکبر علی اختر علی سلفی	48

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

اداریہ

نظام وراثت و نظام زکاۃ اور برصغیر کے مسلمان

ایڈیٹر (کفایت اللہ سنابلی)

اسلام نے مسلمانوں کو دو ایسا نظام دیا ہے جس پر مسلمان اگر ٹھیک ٹھیک عمل کرلیں تو وہ کبھی بھی معاشی واقتصادی بحران کے شکار نہ ہوں گے۔ایک وراثت کا نظام ہے اور دوسرا زکاۃ کا نظام، ان دونوں میں سب سے اہم مرحلہ مال کو مستحقین تک پہنچانا ہے، اس مرحلہ میں شیطان کا وار بہت شدید ہوتا ہے اور انسان کا نفس من مانی سے بمشکل ہی بچ سکتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مرحلہ کے طریقۂ کار کو خود قرآن میں پوری تفصیل اور صراحت کے ساتھ بیان کردیا ہے۔

کسب وبیوع اور اخذ وعطاء کی تفصیلات قرآن میں نہیں ملتیں، لیکن ان ذرائع سے جو مال ذخیرہ کرکے ایک انسان فوت ہوجاتا ہے، اس کے ترکہ کو مستحقین تک کیسے پہنچانا ہے، اسے اللہ نے خود قرآن میں بیان کیا ہے اور عمومی حالات کو پوری تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے ایک ایک چیز کھول کھول کر رکھ دی ہے۔

زکاۃ کن اموال میں وصول کی جائے گی؟ اور کیسے وصول کی جائے گی؟ ان سب کی تفصیلات احادیث میں ہیں، لیکن اموال زکاۃ کو جمع کرنے کے بعد مستحقین کو کیسے پہنچانا ہے اس کی پوری تفصیل اللہ نے خود بیان کیا ہے حتیٰ کہ فقراء اور مساکین کو الگ الگ بیان کردیا ہے۔

مستحقین ترکہ اور مستحقین زکاۃ کی تفصیلات قرآن مجید میں اس لئے بیان کردی گئی ہیں، تاکہ حفظ قرآن اور تلاوت قرآن کے ذریعہ یہ تفصیلات ہمیشہ مسلمانوں کے سامنے رہیں اور جہل ولاعلمی کا کوئی عذر ان پر عمل سے مانع نہ ہو۔

نیز قرآن میں یہ تفصیلات اشاروں میں نہیں بلکہ پوری صراحت ووضاحت کے ساتھ دوٹوک انداز میں بیان کی گئی ہیں تاکہ قیاس واستدلال کے نام پر بھی نفس پرستی اور شیطان کی دخل اندازی کی راہ مسدود ہوجائے۔

لیکن سخت افسوس کی بات ہے آج برصغیر کے مسلمانوں نے بلاتفریق مسلک وملت ان دونوں اسلامی نظام، نظام وراثت اور نظام زکاۃ کو بری طرح مسخ کرکے رکھ دیا ہے، عمومی صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف وراثت میں میت کے صرف لڑکے پوری جائداد پر قبضہ کرکے بیٹھ جاتے ہیں، تو دوسری طرف زکاۃ میں صرف دینی ادارے سارا مال سمیٹ لیتے ہیں۔اور نتیجے میں مسلمان قوم کی جو حالت ہے وہ سب کے سامنے ہے۔رب العالمین ہم سب کی اصلاح فرمائے، آمین!!

بوقت افطار دعا کی خصوصی فضیلت سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق

از: کفایت اللہ سنابلی

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۳) نے کہا:

حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ الْمَدَنِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهِ لَدَعْوَةً مَا تُرَدُّ قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو، يَقُولُ إِذَا أَفْطَرَ: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَغْفِرَ لِي"

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”روزہ دار کی دعا افطار کے وقت رد نہیں کی جاتی“۔ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو سنا کہ جب وہ افطار کرتے تو یہ دعا پڑھتے:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَغْفِرَ لِي"

”اے اللہ! میں تیری رحمت کے ذریعہ سوال کرتا ہوں جو ہر چیز کو وسیع ہے کہ مجھے بخش دے“ [سنن ابن ماجه :رقم :۱۷۵۳، المستدرك للحاكم ، ط الهند :۴۲۲/۱،و ضعفه الألبانی فی الإرواء :۴۱/۴،رقم :۹۲۱و حسنه البعض]

اس سند میں اسحاق بن عبداللہ المدنی کے تعین کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ اسحاق کے والد عبداللہ کے نام کے ضبط کا اختلاف ہے، بعض نے اسے عبید اللہ بالتصغیر بتایا ہے، جبکہ بعض نے عبداللہ بالتکبیر بتلایا ہے۔ اسحاق کی یہ روایت دو طریق سے مروی ہے۔

دونوں طرق کی تفصیل ملاحظہ ہو:

پہلا طریق: اسد بن موسیٰ:

اسد بن موسیٰ کی ثابت روایت میں بغیر کسی اختلاف کے اسحاق بن عبداللہ ہے۔ [الترغيب لابن شاهين: ص: ۵۲، رقم: ۱۴۰،وإسناده حسن إلى اسد]

دوسرا طریق: ولید بن مسلم:

ولید بن مسلم سے ان کے دو شاگردوں نے یہ روایت بیان کی ہے، ایک الحکم بن موسیٰ اور دوسرے ہشام بن عمار۔

حکم بن موسیٰ کی روایت:

حکم سے تین راویوں (۱۔محمد بن علی بن زید، ۲۔حامد بن محمد، ۳۔ابویعلیٰ) نے اسے بیان کیا ہے اور تینوں نے بالاتفاق اسحاق بن عبداللہ ہی بیان کیا ہے۔

محمد بن علی بن زید کی روایت کے لئے دیکھئے:[المستدرك للحاكم، ط الهند: ۲۲/۱ وسنده صحيح إلى الحكم]

حامد بن محمد کی روایت کے لئے دیکھئے:[ذيل تاريخ بغداد لابن الدبيثي: ۳۳٤/۱، وسنده حسن إلى حامد]

ابویعلی کی روایت ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں نقل کی ہے اور اس کے بعض نسخوں میں اسحاق بن عبداللہ ہی ہے، جیسا کہ محققین نے صراحت کی ہے بلکہ شیخ عبدالقادر عطاء نے اپنے نسخہ میں ایسے ہی ضبط کیا ہے۔دیکھئے:[عمل اليوم والليلة لابن السني، ت البرني: ص:۲۸۹ حاشيه]

اور یہی درست ہے جیسا کہ دیگر رواۃ کی متابعت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

مذکورہ رواۃ کے برخلاف حکم بن موسیٰ کے کسی بھی شاگرد کی روایت ثابت نہیں، مثلاً معجم ابن عساکر (۳۰۷/۱) میں محمد الحضرمی کی روایت سنداً ضعیف ہے نیز محقق کی شہادت کے مطابق مخطوطہ میں متعلقہ نام پر تضبیب کی علامت ہے جو غلطی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

ہشام بن عمار کی روایت:

ہشام سے ان کے شاگرد عبید بن عبدالواحد کی روایت ثابت ہے، اس میں بغیر کسی اختلاف کے اسحاق بن عبداللہ ہی ہے۔[شعب الإيمان، ت زغلول، رقم:۳۹۰٤ وسنده صحيح إلى عبيد]

یاد رہے کہ شعب الإیمان کے دوسرے محقق دکتور عبدالعلی نے جو تصغیر کے ساتھ ضبط کیا ہے یہ قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کے بعد پوری صراحت کے ساتھ یہ بھی کہا ہے:

"وشيخاى لم يثبتاه، فقال: إسحاق بن عبد الله"

یعنی میرے دونوں شیخ (یحییٰ بن ابراہیم اور امام حاکم) نے اپنی سند میں ایسا (یعنی عبیداللہ) نہیں بیان کیا ہے بلکہ اسحاق بن عبداللہ ہی بیان کیا ہے۔[شعب اليمان ت، عبدالعلي: ٤٠٨/٥]

ہشام سے ان کے جس دوسرے شاگرد کی روایت ثابت ہے وہ امام ابن ماجہ ہیں، اور سنن ابن ماجہ کے بعض نسخوں

میں بھی اسحاق بن عبداللہ المدنی ہے۔دیکھئے:[سنن ابن ماجة ، النسخة التيمورية ، ق:١٩٧/١ب ، نيز سنن ابن ماجه، مطبوعه دارالتاصيل ، ص:٢٤٢،حاشيه نمبر:٣،زوائد ابن ماجه للبوصيرى ، ت محمدمختار حسين :ص:٢٥٤،رقم:٥٩٤، تفسير ابن كثير ،ت محمد حسين شمس الدين:٣٧٥/١،لسان الميزان لابن حجر، ت ابى غدة:٦٣/٢]

ظاہر ہے کہ ابن ماجہ کی روایت میں بھی صحیح نام اسحاق بن عبداللہ ہی ہے کیونکہ اس پر عبید بن عبدالواحد کی متابعت بھی موجود ہے۔

ہشام کے ان دونوں شاگردوں کے برخلاف ایک تیسرے شاگرد محمد بن ابی زرعۃ الدمشقی نے اسحاق بن عبیداللہ تصغیر کے ساتھ بیان کیا ہے۔[الدعاء للطبرانى، ت محمد سعيد،رقم:٩١٩]

عرض ہے کہ، ان کی توثیق موجود نہیں ہے تاہم اگر یہ ثقہ بھی ہوتے تو بھی ہشام کے دوشاگردوں کی متفقہ روایت کے مقابلے میں ان کے بیان کی کوئی حیثیت نہ ہوتی۔

پتہ چلا ھشام بن عمار کی روایت بھی الحکم بن موسیٰ کی روایت کے موافق ہے یعنی ان دونوں کے استاذ ولید بن مسلم نے اسحاق بن عبداللہ ہی بیان کیا ہے۔

فائدہ:

ولید بن مسلم کے ایک اور شاگرد ہشام بن خالد کی روایت میں بھی اسحاق بن عبداللہ ہی ہے لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔دیکھیں:[نوادر الاصول للحكيم الترمذى، ت توفيق:١٥٨/٢]

بہرحال اس تفصیل سے واضح ہے کہ ولید بن مسلم نے اپنے استاذ کا نام اسحاق بن عبداللہ ہی بیان کیا ہے۔اور اس بیان پر اسد بن موسیٰ کی متابعت بھی موجود ہے جیسا کہ شروع میں گزر چکا، یعنی اسد بن موسیٰ اور ولید بن مسلم دونوں نے اپنے استاذ کا نام اسحاق بن عبداللہ ہی بتایا ہے۔

اسحاق بن عبداللہ کی تعیین:

اس تفصیل سے یہ بات طے ہوجاتی ہے کہ اس سند میں اسحاق بن عبداللہ ہی ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس سے کون مراد ہے تو امام حاکم، امام ذہبی اور علامہ البانی رحمہم اللہ نے یہ احتمال ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروۃ، الاموی، المدنی ہوسکتا ہے۔[المستدرك للحاكم، ط الهند:٤٢٢/١،ومعه تعليق الذهبى، إرواء الغليل للالبانى:٤٣/٤]

عرض ہے کہ یہی بات متعین ہے، اس کے متعدد دلائل ہیں، مثلاً:

اس کی ایک زبردست دلیل یہ ہے کہ اس کے شاگرد ولید بن مسلم نے ایک روایت میں اس کا پورا نام ''اِسحاق بن عبداللہ بن ابی فروۃ'' بتادیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

أبوعبداللہ محمد بن سعید ابن الدبیثی (المتوفی ۶۳۷) نے کہا:

قرأت على أبى محمد عبد العزيز بن أبى نصر البزاز من كتابه، قلت له:أخبركم أبو عبد اللّٰه محمد بن رمضان بن عبد اللّٰه الجندى، فأقر به، قال:أخبرنا أبو عبد اللّٰه محمد بن عبد الباقى الدورى، قال:أخبرنا أبو محمد الحسن ابن على الجوهرى، قال:حدثنا الحسن بن عمر بن حبيش، قال:حدثنا حامد ابن محمد، قال:حدثنا الحكم بن موسى، قال:حدثنا الوليد بن مسلم، قال:حدثنى إسحاق بن عبد اللّٰه بن أبى فروة،قال:سمعت عبد اللّٰه بن أبى مليكة قال:سمعت عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص يقول:سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول):(إن للصائم عند إفطاره لدعوةً ما ترد)

قال ابن أبى مليكة:فسمعت عبد الله بن عمرو يقول إذا أفطر:(اللهم إنى أسألك رحمتك التى وسعت كل شىء أن تغفر لى) [ذيل تاريخ بغداد لابن الدبيثى:۱/۳۳٤،وإسناده حسن إلى الوليد ، ابن حبيش هو الحسين بن عمر بن عمران بن حبيش ، ذكره الخطيب فى تلاميذ حامد بن محمد، انظر:تاريخ بغداد، مطبعة السعادة:۸/۱٦۹]

ولید بن مسلم کے اساتذہ میں بھی اس کا تذکرہ ہے دیکھئے:[تهذيب الكمال للمزى:۲/٤٤٦]

نیز اسحاق کے ایک دوسرے شاگرد اسد بن موسیٰ نے اس کا پورا نام اِسحاق بن عبداللہ الاموی، من اہل المدینۃ بتایا ہے، ملاحظہ ہو:

امام ابن شاہین رحمہ اللہ (المتوفی ۳۸۵) نے کہا:

حدثنا أحمد بن بهزاد بن مهران السيرافى، بمصر، ثنا الربيع بن سليمان، ثنا أسد، ثنا إسحاق بن عبد اللّٰه الأموى، من أهل المدينة، حدثنى ابن أبى مليكة، عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص، قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:"إن للصائم عند فطره دعوة لا ترد .قال: وكان عبد اللّٰه يقول إذا أفطر:برحمتك التى وسعت كل شىء اغفر لى" [الترغيب فى فضائل الأعمال لابن شاهين :ص:۵۲،رقم:۱٤۰وإسناده حسن الى اسد]

اوراس طبقہ میں اموی اور مدنی یہی راوی ہے۔ دیکھئے:[تهذيب الكمال للمزى:٤٦/٢]

جب یہ واضح ہوگیا کہ یہ راوی اِسحاق بن عبداللہ بن ابی فروۃ، الاموی، المدنی ہے،تو معلوم ہونا چاہئے کہ امام ابن معین رحمہ اللہ نے اسے کذاب کہاہے۔[الجرح والتعديل لابن ابى حاتم، ت المعلمى:٢٢٨/٢،وإسناده صحيح]

اورکئی محدثین نے اسے متروک کہاہے۔ مثلاً دیکھئے:[تقريب التهذيب لابن حجر :رقم:٣٦٨] لہٰذا یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

کچھ وضاحتیں:

امام بخاری، امام ابوحاتم الرازی، امام ابوزرعہ رازی اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے اس اسحاق کو اسحاق بن عبداللہ بن ابی ملیکۃ بتلایا ہے۔[الجرح والتعديل لابن ابى حاتم، ت المعلمى:٢٨٨/٢]

امام ابن حبان نے بھی اسحاق بن عبداللہ المدنی لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن حبان کا بھی یہی موقف ہے (الثقات لابن حبان ط ، العثمانیۃ (۴۸/۶) مطبوعہ نسخہ میں تصغیر کے ساتھ ذکر کرنا غلط ہے کیونکہ مخطوطہ میں ایسا نہیں ہے)

اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اسحاق کے والد کا نام عبداللہ تکبیر کے ساتھ ہی ہے۔ البتہ ان ائمہ نے اس کا تعین ابن ابی فروہ کے بجائے ابن ابی ملیکہ سے کیا ہے۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو بھی یہ روایت ضعیف ہی رہے گی کیونکہ ابن ابی ملیکہ نامعلوم التوثیق ہے ابن حبان نے اسے ثقات میں صرف ذکر کیا ہے۔

ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس اسحاق کو اسحاق بن عبیداللہ بن ابی المہاجر بتایا ہے، اور انہیں کی پیروی میں ابن حجر اور علامہ البانی رحمہما اللہ نے بھی اسے ابن ابی المہاجر مانا ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ زیر بحث روایت میں اسحاق کو کئی رواۃ نے مدنی بتایا ہے جبکہ ابن ابی المہاجر شامی راوی ہے۔ بہر حال یہ راوی بھی نامعلوم التوثیق ہے، لہٰذا اسے ماننے کی صورت میں بھی روایت ضعیف ہی رہے گی۔ یاد رہے کہ اس کو ابن حبان نے بھی ثقات میں ذکر نہیں کیا ہے، کیونکہ یہ شامی اور تصغیر کے ساتھ ہے اور ابن حبان نے جسے ثقات میں ذکر کیا ہے وہ مدنی اور تکبیر کے ساتھ ہے۔ دکتور بشار نے بجا طور پر لکھا:

”أما قول ابن حجر فى ترجمة ابن أَبى المهاجر:”ذكره ابنُ حِبَّان فى الثقات فليس بجيدلان ابن حبان لم يذكر غير إسحاق بن عُبَيد الله المدنى وهو لا يقوم دليلا على أنه ابن أَبى المهاجر“

ابن ابی المہاجر کے ترجمہ میں ابن حجر نے یہ کہا کہ:”اسے ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے تو یہ درست نہیں ہے

، کیونکہ ابن حبان نے صرف ''اسحاق بن عبید اللہ المدنی'' کے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں اس بات کی ہرگز دلیل نہیں کہ اس سے مراد ابن ابی المہاجر ہے'' [تهذيب الكمال للمزي:۲/۴۵۸]

امام بوصیری رحمہ اللہ سے عجیب وہم ہوا ہے انہوں نے اسحاق کو اسحاق بن عبد اللہ بن الحارث بن کنانۃ القرشی العامری سمجھ لیا، اور پھر اس سے متعلق توثیقات ذکر کردیں۔[زوائد ابن ماجه للبوصيري ،ت محمدمختار حسين :ص:۲۵۴،رقم :۵۹۴]

حالانکہ یہ راوی اس طبقہ کا ہے ہی نہیں، اور اسے مان لینے کی صورت میں سند ہی منقطع ہوجائے گی۔

اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ بعض نے اسحاق کو نہ ابن ابی فروہ تسلیم کیا نہ ابن ابی ملیکۃ مانا، اور نہ ہی ابن ابی المہاجر سمجھا، بلکہ اسحاق بن عبید اللہ المدنی نام کی ایک فرضی شخصیت تصور کرکے امام بوصیری کی ذکر کردہ وہ توثیقات اس کے کھاتے میں ڈال دیں، جو کہ ایک دوسرے راوی سے متعلق تھیں، سبحان اللہ!

بہرحال ہماری نظر میں راجح وہی بات ہے جس کا احتمال امام حاکم، امام ذہبی اور علامہ البانی رحمہم اللہ نے ذکر کیا ہے اور دلائل کی روشنی میں یہ بات یقین تک پہنچ چکی ہے، یعنی اس سند میں ابن ابی فروہ ہے جو کذاب ومتروک ہے، لہٰذا بعض کا اسے حسن کہنا درست نہیں ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہنے والے بعض معاصرین کے بارے میں لکھا:

''حسنه الجهلة''

''جاہلوں نے اسے حسن کہا ہے'' [ضعيف الترغيب والترهيب:۱/۲۹۲]

حدیث مذکور کا ایک اور ضعیف طریق:

یہی حدیث ایک الگ طریق أبو محمد الملیکی، عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ سے مروی ہے۔ دیکھئے:[مسند أبي داود الطيالسي :۴/۲۰،رقم:۲۳۷۶، شعب الإيمان :۵/۴۰۸،رقم:۳۶۲۴]

لیکن اس میں موجود أبو محمّد الملیکی کا کوئی سراغ نہیں ملتا لہٰذا یہ سند بھی ضعیف ہے، اور سنن ابن ماجہ وغیرہ والی سند چونکہ سخت ضعیف ہے، اس لئے یہ دونوں مل کر بھی تقویت نہیں پاسکتیں۔

خلاصہ بحث یہ کہ مذکورہ روایت سخت ضعیف ہے۔

☆☆☆

☆

(آٹھویں قسط)

کتاب ''چاردن قربانی'' پر اعتراضات کے جوابات

زبیر یحییٰ عالیاوی

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر:

حدثنا إبراهيم بن مرزوق، قال: حدثنا وهب بن جرير، قال: حدثنا شعبة، عن ميسرة بن حبيب، عن المنهال بن عمرو، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، قال: ''النحر يومان بعد يوم النحر، وأفضلها يوم النحر''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''کہ قربانی عید کے بعد دو دن ہے اور افضل پہلے دن ہے'' [أحكام القرآن للطحاوی: ۲۰۵/۲]

یہ روایت دو وجوہات کی بنا پر ضعیف ہے:

پہلی وجہ: اس روایت کو امام شعبہ نے منہال کے طریق سے روایت کیا اور انہوں نے بعد میں ان کی روایت کو ترک کر دیا تھا، اور ان کی حدیث کو ضعیف گردانتے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: (چاردن کتاب وسنت کی روشنی میں: ص: ۱۸۸ تا ۱۹۴)

بلال صاحب نے یہ کہا ہے کہ امام شعبہ نے ناجیہ کو شطرنج کھیلتے ہوئے دیکھا اور ان سے روایت ترک کر دی تھی اور بعد میں واسطے سے ان سے روایت کرنا شروع کر دیا۔ (چاردن قربانی؟ ص: ۲۸)

اول تو یہ بات دوسرے راوی ناجیہ سے متعلق ہے اس کا منہال سے کیا تعلق؟

دوسرے یہ کہ امام شعبہ نے ناجیہ کے بارے میں تو یہ کہا ہے کہ میں نے انہیں ترک کر دیا تھا، پھر بعد میں واسطے سے ان سے روایت شروع کر دی، لیکن منہال سے روایت ترک کرنے کے بعد ان سے روایت لینے کے بارے میں امام شعبہ نے ایسی کوئی صراحت نہیں کی ہے۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ امام شعبہ نے منہال کی روایت صرف اس لئے ترک نہیں کی تھی کہ ان کے گھر میں باجے کی آواز سنی تھی بلکہ وہ اس کی روایت کو ضعیف بھی مانتے تھے ورنہ منہال سے بھی روایت شروع کر دیتے۔

بلال صاحب نے سابقہ مثال جس کا منھال سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اسے پیش کر کے یہ دعویٰ کر دیا کہ امام شعبہ نے منہال کی روایت ترک کرنے سے بھی رجوع کر لیا تھا۔ (چاردن قربانی؟ ص: ۲۹)

حالانکہ اس مثال کا منہال سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی امام کسی روای کو ضعیف کہنے کے بعد اس سے رجوع کر لے تو اسے مثال بنا کر یہ دعویٰ کر دیا جائے کہ اس نے جن دیگر رواۃ کو ضعیف کہا ہے اس سے بھی رجوع کر لیا ہے۔

بلال صاحب نے آگے حافظ سخاوی کا قول پیش کر کے یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام شعبہ نے منہال سے بلاواسطہ بھی روایت لی ہے۔

حالانکہ اس قول میں خود امام سخاوی نے کہا ہے کہ شعبہ کی یہ روایت یا تو باجے کی آواز سننے سے پہلے یا بعد کی ہے۔تو جب خود امام سخاوی نے دونوں احتمال مانا ہے،تو پھر یہ احتمالی قول اس بات کی دلیل کیسے ہوگیا کہ امام شعبہ نے منہال کی روایت ترک کرنے کے بعد اس سے روایت لی ہے۔

اور چونکہ یہ بات مسلم ہے کہ امام شعبہ نے پہلے منہال سے روایت لی تھی،اس لئے منہال سے جو بھی روایت ملے گی وہ پہلی حالت پر ہی محمول ہوگی،ترک کے بعد دوبارہ روایت لینے کے لئے صریح دلیل درکار ہے۔

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ابن المبارک رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی احادیث کو ترک کر دیا تھا،اب ابن المبارک رحمہ اللہ کے طریق سے ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جو بھی روایات ملیں گی انہیں پہلی حالت پر ہی محمول کیا جائے گا،نہ یہ کہ اس سلسلے کی کوئی روایت کا حوالہ دے کر یہ کہا جائے گا کہ ہوسکتا ہے اس ابن المبارک رحمہ اللہ نے ترک سے پہلے روایت کیا ہو یا ہوسکتا ترک کے بعد روایت کیا ہو۔

نیز جس روایت کو مثال میں پیش کیا گیا ہے،اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً روایت کیا ہے،یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اس لائق نہیں سمجھا کہ اس کو موصولاً روایت کریں کیونکہ شعبہ نے منہال کی روایت ترک کر دی تھی۔

اسی لئے امام بخاری نے اس مفہوم کی جس روایت کو موصولاً روایت کیا ہے وہ شعبہ کی سند سے نہیں،نیز شعبہ کی سند کے مقابلے میں وہ نازل سند ہے،اور شعبہ کی سند عالی تھی،جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی دوسری کتاب التاریخ (۲۰۶/۱) روایت کر رکھا ہے۔پھر امام بخاری کا عالی سند کو چھوڑ کر نازل سند سے موصولاً روایت کرنا اسی بات کی دلیل ہے،یعنی عالی سند میں شعبہ منہال سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے منہال کی روایت ترک کر دیا تھا،اس لئے امام بخاری نے ان کی سند کو عالی ہونے کے باجود بھی موصولاً روایت نہیں کیا۔

تعجب ہے کہ بلال صاحب نے امام سخاوی کا احتمالی قول پیش کر کے بڑے دھڑلے سے دعویٰ کر دیا کہ:

ثابت ہوا کہ امام شعبہ نے منہال بن عمرو کی روایت کو ترک نہیں کیا تھا،بلکہ اپنے اجتہاد سے رجوع کرتے ہوئے ان سے روایت لینا شروع کر دی تھی۔(چار دن قربانی؟ص:۳۰)

جب بلال صاحب نے اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل ہی نہیں دی تو پھر بغیر دلیل کے یہ ثابت کیسے ہوگیا؟

بلکہ امام شعبہ کے خود کے قول کہ میں نے ناجیہ کو ترک کیا تھا پھر واسطے سے ان سے روایت شروع کر دی،یہ اسی بات

کی دلیل ہے کہ منہال کی روایت ترک کرنے کے بعد ان سے دوبارہ روایت نہیں کیا ورنہ ان کے بارے میں بھی صراحت کردیتے۔

امام شعبہ نے جب اپنے شاگرد کو یہ بتایا کہ وہ منہال کے گھر گئے تھے لیکن باجے کی آواز سن کر واپس آگئے تو ان کے شاگرد نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ان سے دریافت کیوں نہیں کیا؟ ہوسکتا ہے وہ اس بات سے لاعلم رہے ہوں۔

شیخ سنابلی نے یہاں پر یہ لکھا کہ امام شعبہ نے وہب بن جریر کے حسن ظن کی تردید نہیں کی جو دلیل ہے کہ امام شعبہ کی نظر میں وجہ ضعف یہ چیز ہے ہی نہیں۔ (چاردن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں :ص:۱۹۲)

اس پر بلال صاحب نے بڑی عجیب وغریب بات کہہ ڈالی، لکھتے ہیں کہ وہب بن جریر کا یہ حسن ظن نہیں بلکہ اعتراض تھا۔ (چاردن قربانی ؟ص:۳۰)

اب بلال صاحب سے کوئی پوچھے کہ حسن ظن نہیں تھا تو اعتراض کیوں کیا؟

اور سب سے بڑا عجوبہ یہ کہ بلال صاحب نے لکھا کہ شیخ سنابلی نے امام شعبہ پر اعتراض کو بلا دلیل حسن ظن قرار دیا۔ سبحان اللہ!

جبکہ وھب بن جریر واضح طور پر کہہ رہے ہیں کہ:

”**عسٰی ان لا یعلم ھو**“، ”ہوسکتا وہ اس سے لاعلم رہے ہیں“ [کفایۃ الخطیب : ۲۸۴/۱ ،وسندہ صحیح]

اب یہ سوچنا کہ منہال باجے سے لاعلم رہے ہوں گے، یہ حسن ظن کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟

بلال صاحب نے جو یہ لکھا: وہب بن جریر کا یہ حسن ظن نہیں بلکہ اعتراض تھا۔ (چاردن قربانی ؟ص:۳۱)

عرض ہے کہ اگر حسن ظن نہیں تھا تو کیا سوء ظن کی بنا پر وھب بن جریر نے اعتراض کیا تھا؟

اصل میں بلال صاحب یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ حسن ظن کے الفاظ کے بجائے صرف اعتراض کا لفظ استعمال کریں تو شیخ سنابلی کی بات غلط ثابت ہوجائے گی، حالانکہ یہ محض سقم فہمی ہے، کیونکہ امام شعبہ نے حسن ظن کی تردید نہیں کی یا اعتراض کی تردید نہیں کی، بات ایک ہی ہے۔

شیخ سنابلی حفظہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ امام شعبہ کو بھی یہ بات تسلیم تھی کہ محض باجے کی آواز سن کر ان کی ترک کردینا درست نہیں ہے، اس لئے امام شعبہ نے باجے کی وجہ سے ان کو ترک نہیں کیا ہے بلکہ ان کی روایت کو ضعیف جان کر ان کو ترک کیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں: (چاردن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں :ص:۱۹۰ تا ۱۹۲)

آگے بلال صاحب نے ایک عنوان اس طرح قائم کیا ہے:

محدثین کو روایت کی تصحیح کا حق تھا یا نہیں؟ (چاردن قربانی ؟ص:۳۱)

اس علی الاطلاق عنوان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی نے محدثین سے روایت کی تصحیح کا حق ہی چھین لیا ہے۔

جب کہ ایسا کسی نے نہیں کہا ہے۔

امام شعبہ رحمہ اللہ نے منہال کی روایت ترک کردی تھی یہ مسلمہ حقیقت ہے۔

اب بلال صاحب کا سوال دیکھیے کہتے ہیں:

سوال یہ ہے امام شعبہ نے منہال کی کن روایات کو متروک کہہ کر ان کے بیان سے رجوع کیا ہے؟ اس پر تو سرے سے کوئی دلیل ہے ہی نہیں کہ امام شعبہ نے منہال سے بیان کردہ روایات کو متروک کہہ کر ان کے بیان سے رجوع کیا ہو۔ (چار دن قربانی؟ ص:۳۱)

یہ بالکل ایسے ہی کہ ابن المبارک رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ترک کردیا تھا تو اس پر یہ سوال کیا جائے کہ:

امام ابن المبارک نے امام ابوحنیفہ کی کن روایات کو متروک کہہ کر ان کے بیان سے رجوع کیا ہے؟ اس پر تو سرے سے کوئی دلیل ہے ہی نہیں کہ امام شعبہ نے منہال سے بیان کردہ روایات کو متروک کہہ کر ان کے بیان سے رجوع کیا ہو کیا خیال ہے؟

بلال صاحب کو کون سمجھائے کہ امام ابن المبارک کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایات ترک کرنے کا مسئلہ ہو یا امام شعبہ کا منہال کی روایات ترک کرنا، یہاں صرف چند احادیث کے ترک کی بات نہیں ہے بلکہ علی الاطلاق ترک کی بات ہے۔

بلال صاحب آگے لکھتے ہیں:

دیگر محدثین کو حق تھا کہ امام شعبہ کی منہال سے بیان کردہ روایات سے حجت پکڑتے، کیونکہ اس صورت میں بھی منہال کا ضعف صرف امام شعبہ کے نزدیک ہونا تھا نا کہ باقی ناقدین کے نزدیک بھی۔ (چار دن قربانی؟ ص:۳۱)

یہاں دو باتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ جب امام شعبہ نے خود منہال کو ترک کردیا، تو امام شعبہ ہی کے طریق سے مروی روایت سے حجت پکڑنے کا حق کسی کو نہیں ہے، جیسے ابن المبارک رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ کی روایت کو ترک کردیا تو اب ابن المبارک ہی کے طریق سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایت سے حجت پکڑنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ ہاں دیگر محدثین اگر منہال یا ابوحنیفہ کو ثقہ مانتے ہوں تو انہیں بے شک یہ حق حاصل ہے کہ دیگر طرق سے مروی ان کی روایات سے حجت پکڑیں۔

دوسری بات یہ کہ بعض رواۃ گرچہ ثقہ ہوتے ہیں، لیکن مخصوص وقت میں، یا مخصوص علاقہ میں یا مخصوص اساتذہ سے، یا مخصوص تلامذہ سے ان کی روایات ضعیف ہوتی ہی، اب جن مخصوص حالات میں ان کی روایات میں ضعف واضح کیا

گیا ہے، ان مخصوص حالات والی روایات سے اس بنیاد پر حجت نہیں پکڑی جاسکتی ہے کہ یہ راوی تو ثقہ ہے، منہال سے خاص امام شعبہ کی روایات کا یہی معاملہ ہے کیونکہ انہوں نے ان روایات کو ترک کردیا ہے اور انہیں ضعیف گردانا ہے اس لئے خاص اس طریق والی روایات ضعیف ہی ہوں گی ہاں اگر دوسرے طریق سے منہال کی روایت ثابت ہو جائے اور پھر دوسری علت نہ ہو تو اس سے حجت لی جاسکتی ہے، لیکن زیر بحث روایت شعبہ کے طریق کے علاوہ کسی بھی دوسرے طریق سے ثابت نہیں ہے۔

شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے اسے دوسرے انداز میں اس طرح واضح کیا ہے:

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے شعبہ کی سند سے بعض مدلسین (اعمش ،قتادہ، ابواسحاق السبیعی) کی معنعن سند کو محض اس لئے صحیح مانا جاتا ہے کیونکہ امام شعبہ نے یہ واضح کیا ہے کہ وہ ان کی تحقیق کر چکے ہیں۔ دیکھئے:[مسألة التسمية: ص: ٤٧ وإسناده صحيح]

اب گرچہ ہمیں اپنی تحقیق میں سماع کی صراحت نہ ملے لیکن امام شعبہ رحمہ اللہ کی یہ وضاحت ہمارے کافی ہوگی۔ٹھیک اسی طرح امام شعبہ نے منہال سے روایت کردہ اپنی حدیث کو متروک وضعیف قرار دیا ہے۔اب گرچہ ہمیں شعبہ سے اوپر کوئی عیب نظر نہ آئے پھر بھی امام شعبہ رحمہ اللہ کی طرف سے اس طریق کی تضعیف ہمارے لئے کافی ہوگی۔ (چاردن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں:ص:۱۹۳)

شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے لکھا تھا کہ:

امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۸) نے کہا:

”کان شعبة یضعف حدیث أبی بشر عن مجاهد وقال حدیث الطیر هو حدیث المنهال“

امام شعبہ ابو بشر عن مجاہد سے مروی حدیث طیر کو ضعیف قرار دیتے تھے اور کہتے حدیث طیر یہ منہال بن عمرو کی حدیث ہے۔[العلل و معرفة الرجال لأحمد، ت وصی: ٥٣٧/١،وإسناده صحيح]

یعنی امام شعبہ کی نظر میں ابو بشر کی متابعت والی روایت ثابت نہیں تھی، اس لئے ان کی نظر میں حدیث طیر صرف ان کے منہال والے طریق سے تھی جسے انہوں نے ضعیف قرار دیا۔اس سے پتہ چلا کہ امام شعبہ منہال سے روایت کردہ اپنے طریق کو ضعیف قرار دیتے تھے۔(چاردن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں:ص:۱۹۰،۱۹۱)

اس پر بلال صاحب نے یہ کہا ہے کہ:

امام شعبہ نے ابو بشر کی حدیث کی اس سند کو ضعیف کہا ہے جسے ابو بشر سے ابوالربیع متروک نے روایت کیا ہے۔

اس پر انہوں نے یحییٰ بن سعید کے یہ الفاظ پیش کئے ہیں:

حدثنا صالح قال حدثني أبي قال حدثنا يحيىٰ قال كان شعبة يضعف حديث أبي بشر عن مجاهد وقال حديث الطير أن ابن عمر رأى قوما نصبوا طيرا يرمونه قال شعبة هذا الحديث حديث المنهال وحدث به أبو الربيع السمان عن أبي بشر فأنكره شعبة فقال له هشيم أنا سمعته من أبي بشر أيش تنكر عليه.

یحییٰ بن سعید نے کہا کہ شعبہ اُبو بشرعن مجاہد کے طریق والی حدیث کوضعیف کہتے تھے......امام شعبہ نے کہا کہ یہ حدیث منہال کی حدیث ہے اوراسے ابوالربیع السمان نے ابوبشر کے طریق سے بیان کیا ہے،تو شعبہ نے اس کا انکار کیا،تو ان سے ھشیم نے کہا کہ: میں نے بھی ابوبشر سے یہ روایت سن رکھی ہے تو آپ اس پر کیوں انکار کرتے ہیں؟

[مسائل أحمد، رواية صالح :٤٤٩/٢] (چاردن قربانی؟ص:۳۳)

بلال صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امام شعبہ نے اُبوالربیع السمان عن ابی بشر کے طریق والی روایت کوضعیف کہا ہے۔

لیکن سوال ہے کہ شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے اس بات سے کب انکار کیا ہے شیخ نے تو خودلکھا ہے کہ:

یعنی امام شعبہ کی نظر میں ابوبشر کی متابعت والی روایت ثابت نہیں تھی،اس لئے ان کی نظر میں حدیث طیر صرف ان کے منہال والے طریق سے تھی جسے انہوں نے ضعیف قرار دیا۔اس سے پتہ چلا کہ امام شعبہ منہال سے روایت کردہ اپنے طریق کوضعیف قرار دیتے تھے۔(چاردن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں:ص:۱۹۰،۱۹۱)

یہاں شیخ سنابلی حفظہ اللہ بھی تسلیم کرر ہے ہیں کہ امام شعبہ کی نظر میں ابوبشر کی روایت ثابت نہیں ہے کیونکہ وہ ابوالربیع کی بیان کردہ ہے۔

دراصل بات یہ کہ امام شعبہ اس حدیث کوضعیف ہی اس وجہ سے قرار دے رہے ہیں کہ یہ تو منہال کی حدیث ہے نہ کی ابوبشر کی،اورمنہال شعبہ کی نظر میں ضعیف ہے اس لئے اس حدیث کوامام شعبہ نے ضعیف قرار دیا۔

یعنی امام شعبہ نے متروک کی روایت کردہ سند کو کالعدم قرار دے کر یہ بتایا کہ یہ حدیث منہال کے طریق سے مروی ہے،اورمنہال ہی کے سبب اس کوضعیف کہا ہے۔

امام شعبہ کے ان الفاظ پرغور کریں:

’’هذا الحديث حديث المنهال وحدث به أبو الربيع السمان عن أبي بشر‘‘

’’یہ حدیث،منہال کی حدیث ہے،لیکن ابوالربیع السمان نے اسے ابوبشر سے بیان کردیا‘‘

بالفاظ دیگر اس طرح سمجھیں کہ ابوبشر والی حدیث کو دیگر محدثین صحیح کہتے تھے کیونکہ ان کی نظر میں ابوبشر سے یہ حدیث ثابت تھی کیونکہ ان سے ابوالربیع کے علاوہ ثقہ نے بھی بیان کررکھا ہے۔

لیکن امام شعبہ اسے ضعیف کہتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک ابو بشر سے اسے صرف ابوالربیع متروک نے بیان کیا تھا، اس لئے یہ سند کالعدم تھی، اور امام شعبہ کی نظر میں اسے منہال نے بیان کیا تھا یہی اس کی درست سند تھی، لیکن چونکہ منہال شعبہ کی نظر میں ضعیف تھا، اس لئے شعبہ اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے۔

یعنی امام شعبہ کی نظر میں دونوں ہی سند ثابت نہیں تھی، پہلی سند متروک سے مروی ہونے کے سبب کالعدم تھی، اور دوسری سند منہال سے مروی ہونے کے سبب ضعیف تھی۔

نیز اگر امام شعبہ کی تضعیف کا تعلق صرف ابوالربیع والی سند ہی سے ہوتا، تو اول تو امام شعبہ اس پر سخت جرح کرتے، دوسرے امام شعبہ رحمہ اللہ منہال کی سند کا بھی حوالے دیتے ہوئے حدیث کی تضعیف نہ کرتے بلکہ اس کی صرف ابوالربیع والی سند کو غلط بتانے کے بعد منہال والی سند کو درست بتا کر اسی پر اکتفاء کرتے، اور تضعیف کی بات ہی نہیں کرتے۔

رہی یہ بات کہ ہشیم نے امام شعبہ پر رد کیا تو ہشیم نے ابوالربیع کی متابعت کر کے ابو بشر کی سند کا دفاع کیا، لیکن اس سے ابو بشر کا طریق صحیح ثابت ہوگا، مگر امام شعبہ کی نظر میں منہال کا ضعیف ہونا باقی ہی رہے گا۔

اس کے بعد بلال صاحب نے پھر مذکورہ ہی باتیں یعنی امام یحییٰ بن سعید کا بیان امام احمد کے واسطے سے نقل کیا، اور اس کے اخیر میں یہ ہے کہ امام شعبہ کے قول " هو حديث المنهال" کے بعد امام احمد نے کہا کہ ای هو اصوب، یعنی امام احمد یہ کہہ رہے ہے کہ امام شعبہ نے اس حدیث کے حدیث منہال ہونے کو اصوب درست قرار دیا ہے۔

لیکن شیخ سنابلی نے اس بات کا بھی کہاں انکار کیا ہے؟ بلکہ انہوں نے یہ لکھا تھا کہ:

یعنی امام شعبہ کی نظر میں ابو بشر کی متابعت والی روایت ثابت نہیں تھی، اس لئے ان کی نظر میں حدیث طیر صرف ان کے منہال والے طریق سے تھی۔ (چار دن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں: ص: ۱۹۰، ۱۹۱)

شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے بھی تو یہی لکھا ہے کہ امام شعبہ کی نظر میں حدیث طیر صرف ان کے منہال والے طریق سے، اور یہی تشریح امام احمد رحمہ اللہ نے کی ہے کہ امام شعبہ نے حدیث طیر میں حدیث منہال کو اصوب کہا ہے۔

لیکن کسی سند کی تصویب سے اس کی تصحیح لازم نہیں آتی ہے، بہت ساری متصل اسانید پر بحث کرتے ہوئے محدثین کہتے ہیں کہ اس کا مرسل ہونا ہی صواب ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس مرسل سند کو وہ صحیح کہتے ہیں، بلکہ ان کا مقصود سند کی اصل کیفیت کو بتانا ہوتا ہے، بلکہ کبھی کبھار اس کی اصل کیفیت کو صواب بتا کر حدیث کی تضعیف ہی مقصود ہوتی ہے۔

جاری ہے..................

قسط نمبر:٦

خطبۂ غدیرِ خُم اور اہلِ بیت کے حقوق

حضرت مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے مدینہ طیبہ کا صدقہ، یعنی بنونضیر کے مالِ فَے کا انتظام وانصرام حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مطالبے پر ان کے سپرد کردیا، مگر جب ان کے مابین بھی اختلاف ہوا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اس وقت وہاں حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! میرے اور اس (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے مابین فیصلہ فرمادیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کہنے لگے: ہاں! امیر المومنین! ان کا فیصلہ کردیجئے اور ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے بے فکر کردیجئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تم سے اللہ کی، جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں، قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ''ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہے۔'' یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کہا: بے شک آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے! پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئے اور کہا: اب میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا آنحضرت ﷺ نے ایسا فرمایا ہے؟ انہوں نے کہا: بے شک فرمایا ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب میں اس کی وضاحت کرتا ہوں۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مالِ فَے میں سے اپنے رسول ﷺ کے لئے خاص حصہ مقرر کیا ہے جو کسی اور کے لئے نہیں ہے۔ پھر انہوں نے (سورۃ الحشر کی) یہ آیت پڑھی: ﴿ وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ.....الخ ﴾ تو یہ جائیدادیں (بنونضیر، فدک وغیرہ کی) خاص آنحضرت ﷺ کی تھیں، مگر اللہ کی قسم، انہوں نے یہ جائیدادیں آپ کو نظر انداز کرکے اپنے لئے خاص نہیں کیں اور نہ خاص اپنے خرچ میں لائے، بلکہ آپ لوگوں ہی کو دیں اور آپ کے کاموں میں خرچ کیں، حتیٰ کہ یہ مال اس میں سے بچ رہا۔ رسول اللہ ﷺ اسی میں سے اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کا سال بھر کا

خرچہ کیا کرتے تھے۔اس کے بعد جو بچ جاتا وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے خرچ کر دیتے۔آنحضرت ﷺ تو زندگی بھر اسی طرح کرتے رہے۔(اے حاضرین!) تمہیں اللہ کی قسم! کیا تم یہ نہیں جانتے؟ انہوں نے کہا: بے شک جانتے ہیں۔پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ کو بھی اللہ کی قسم، کیا آپ یہ نہیں جانتے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اٹھالیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں آنحضرت ﷺ کا جانشین ہوں اور انہوں نے یہ جائیدادیں اپنے قبضے میں رکھیں اور جو کام رسول اللہ ﷺ ان کی آمدنی سے کرتے تھے وہی وہ بھی کرتے رہے۔اور اللہ جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں سچے، نیک سیدھی راہ پر اور حق کے تابع تھے۔

پھر اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اٹھالیا اور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جانشین بنا۔میں نے اپنی حکومت کے ابتدائی دو سال تک اس جائیداد کو اپنے قبضے میں رکھا اور جیسا رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کرتے رہے، ویسا ہی میں بھی کرتا رہا۔اور اللہ جانتا ہے کہ میں ان جائیدادوں کے بارے میں سچا، نیک، سیدھی راہ پر اور حق کے تابع رہا۔

پھر دونوں میرے پاس آئے اور بالاتفاق گفتگو کرنے لگے۔آپ دونوں ایک تھے۔اے عباس رضی اللہ عنہ آپ آئے اور مجھ سے اپنے بھتیجے کے مال کا سوال کرتے تھے اور یہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) آئے اور وہ اپنی بیوی کا حصہ اپنے باپ کے مال سے لینے کا مطالبہ کرتے تھے۔میں نے آپ دونوں سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔جو ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔''

پھر مجھے یہ مناسب لگا کہ میں یہ جائیدادیں آپ لوگوں کے قبضے میں دے دوں تو میں نے آپ سے کہا: اگر آپ چاہتے ہیں تو میں یہ جائیداد آپ کے سپرد کیے دیتا ہوں، مگر اس عہد و اقرار پر کہ آپ اس آمدنی سے وہ سب کام کرتے رہیں گے جو رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں اور میں اپنی حکومت کی ابتدا میں کرتا رہا ہوں۔آپ دونوں نے (اس شرط کو قبول کر کے) کہا کہ یہ ہمیں دے دیں تو میں نے اس شرط پر دے دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: (اے حاضرین)! میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں نے یہ جائیداد ان کے سپرد کی یا نہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، سپرد کر دی تھی۔پھر وہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ

ہوئے اور فرمایا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا میں نے یہ جائیداد آپ کے سپرد کی؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو کیا آپ مجھ سے اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ کروانا چاہتے ہیں؟ اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں، اس کے بارے میں اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ اگر آپ سے اس کا انتظام نہیں ہوسکتا تو پھر جائیداد میرے سپرد کردیں، میں اس کا انتظام کرلوں گا۔[صحیح بخاری: کتاب فرض الخمس: باب فرض الخمس: رقم: ۳۰۹٤، وغیرہ]

یہی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے (**کتاب المغازی: باب حدیث بنی النضیر**) میں بھی ذکر کی ہے جس میں اس بات کا اضافہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آنحضرت ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ مالِ فَے میں سے ان کا آٹھواں حصہ ترکے میں سے ہمیں ملنا چاہیے مگر میں نے ان کو منع کیا اور کہا: کیا تمہیں اللہ کا ڈر نہیں، تم یہ نہیں جانتیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے:

''ہمارا کوئی وارث نہیں۔ جو ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہے۔ اس سے آپ اپنے آپ کو مراد لیتے تھے۔ البتہ محمد (ﷺ) کی آل اس مال میں سے کھائے گی''۔

یہ سن کر نبی ﷺ کی بیویاں ترکہ مانگنے سے رک گئیں۔

(عروہ کہتے ہیں:) یہ مال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضے میں رہا۔ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس پر قبضہ نہ کرنے دیا۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے قبضے میں رہا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قبضے میں رہا، پھر حضرت زین العابدین علی بن حسین اور حسن بن حسن (حسن مثنیٰ) رحمہما اللہ دونوں کے قبضے میں رہا۔ دونوں باری باری اس کا انتظام کرتے رہے۔ پھر زید بن حسن بن علی رحمہ اللہ کے پاس رہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا صدقہ ہے (یعنی یہ حضرات مالک نہیں متولی بن کر رہے)[صحیح بخاری: رقم: ٤٠٣٤] مزید دیکھئے: [فتح الباری: ٦/٢٠٧، ٢٠٨]

یہاں آنحضرت ﷺ کی میراث کے حوالے سے اہلِ سنت اور روافض کے مابین اختلاف کی وضاحت مقصود نہیں اور نہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے روافض کے پروپیگنڈے کا جواب دینا ہمارا موضوع ہے، بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ اہل بیت، آل رسول ﷺ کا یہ اختصاص ہے کہ ان پر صدقہ تو حرام ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے جو خمس یا مالِ فَے آنحضرت ﷺ کے لئے رکھا ہے، آپ ﷺ اسے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر اور دیگر اہل بیت پر خرچ کرتے اور جو بچ رہتا اسے جہاد کی راہ میں صرف فرماتے۔

۲۔ دوسرا حق ''صلاۃ''

اہل بیت اور آل رسول ﷺ کا دوسرا حق یہ ہے کہ ان پر صلاۃ پڑھی جائے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اس پر صلاۃ بھیجو اور سلام بھیجو خوب سلام بھیجنا'' [الاحزاب:٥٦]

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ آپ پر سلام کیسے کہنا ہے، مگر ہم آپ پر صلاۃ کیسے بھیجیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: یوں کہو:

''اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ'' [صحيح البخاری: ٣٣٧٠]

صحیحین کے علاوہ یہ حدیث سنن ومسانید اور معاجم وغیرہ کتب احادیث میں بھی ہے۔صحیح بخاری ہی میں اس کے الفاظ یوں ہیں کہ ہم نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَمَّا السَّلاَمُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ، فَكَيْفَ الصَّلاَةُ عَلَيْكَ؟ قَالَ: ''قُولُوا: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ '' [صحيح البخاری:٤٧٩٧، ٦٣٥٧، صحيح مسلم:٤٠٦]

''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے اہل بیت (گھر والوں) پر صلاۃ کس طرح ہے؟ اللہ نے سلام کہنے کی تعلیم تو ہمیں دے دی ہے؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ کہو: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ.....الخ''.

سلام تو عام ہے اور بکثرت سلام کہنے کا حکم ہے۔تشہد میں ہم اپنے آپ پر اور تمام نیک بندوں پر سلام کہتے ہیں، مگر ''صلاۃ'' کا حکم آنحضرت ﷺ کے لئے ہے، لیکن جب نبی ﷺ نے ''صلاۃ'' کے کلمات سکھلائے تو اپنے ساتھ اپنی آل پر بھی ''صلاۃ'' سکھلایا۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ''اہل بیت'' آل رسول ﷺ میں شامل ہیں، جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے آل محمد ﷺ پر ''صلاۃ'' ہی کے حوالے سے بڑی نفیس بات فرمائی ہے۔لکھتے ہیں:

یہ ''صلاۃ'' رسول اللہ ﷺ کی تمام آل کے لئے ہے۔آل میں صالحین ہی کے لئے مخصوص نہیں، چہ جائے کہ اسے

(روافض کے موقف کے مطابق) معصومین کے لئے مختص سمجھا جائے! بلکہ آپ کی تمام آل اس میں شامل ہے، جیسے: مومن مردوں اور مومنہ عورتوں اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے دعا ان سب کو شامل ہے جو ایمان واسلام میں داخل ہیں۔ اور عموماً مومنوں کے لئے دعا اور عموماً اہل بیت کے لئے دعا سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سب نیک اور متقی ہیں، بلکہ ان کے لئے دعا کا مقصد اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ان کے لئے احسان اور فضل وکرم طلب کرنا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اس کا فضل واحسان طلب کیا جاتا ہے۔

لیکن یہ کہا جائے گا کہ یہ آل محمد ﷺ پر ''صلاۃ'' ان کا حق ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آل محمد ﷺ کا امت پر حق ہے جس میں کوئی ان کا شریک وسہیم نہیں۔ وہ موالات ومحبت کے زیادہ حق دار ہیں باقی تمام خاندان قریش سے، جیسے قریش موالات ومحبت کے زیادہ حق دار ہیں دوسرے عرب قبائل سے، یا جیسے عرب موالات ومحبت کے زیادہ حق دار ہیں باقی اولاد آدم علیہ السلام سے۔ یہی جمہور کا موقف ہے۔[منھاج السنة:۲/۲۵۹]

اس کے بعد کی مکمل بحث قابل مراجعت ہے، شائقین اس کی مراجعت فرمائیں۔ اس سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوجاتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے:

یااھل بیت رسول اللہ ﷺ ! حبکم

فرض من اللّٰہ فی القرآن انزلہ

کفاکم من عظیم القدر انکم

من لم یصل علیکم لا صلاۃ لہ

''اے رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت! تم سے محبت من جانب اللہ فرض ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل کیا ہے۔ تمہاری قدر ومنزلت اور عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ جو نماز میں تم پر درود نہیں پڑھتا، اس کی نماز نہیں ہے''۔

امام شافعی رحمہ اللہ نماز میں درود کو فرض قرار دیتے ہیں۔ یہی موقف امام احمد اور امام اسحاق وغیرہم رحمہم اللہ کا ہے۔

دیکھئے:[تفسیر ابن کثیر : ۳/۶۷۱، جلاء الافھام :ص:۳۹۶، فتح الباری:۱۱/۱۶۳، القول البدیع :ص:۱۵وغیرہ]

جاری ہے..................

☆☆☆

فہمِ سلف کے مطابق قرآن وسنت کو سمجھنے کی ضرورت واہمیت

تحریر: ابراہیم بن عبداللہ المزروعی
اردو ترجمانی: محمد شاہد یار محمد سنابلی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ خاتم النبيين، وأشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، أما بعد:

سلف صالحین کون ہیں؟

سلف کے لغوی معنی: گزرے ہوئے زمانے کے آباء واجداد اور قرابت دار۔[لسان العرب:۹/۱۵۹]

البتہ اس کی اصطلاحی تعریف میں اختلاف ہے اور تمام تر تعریفات کا محور ومرکز یہی ہے کہ سلف سے مراد صرف صحابۂ کرام ہیں یا صحابہ اور تابعین ہیں یا صحابہ، تابعین اور تبع تابعین۔

قلشانی المالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلف صالحین اس امت کے وہ پہلے لوگ ہیں جن کے علم میں گہرائی وگیرائی تھی، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت کے لیے منتخب فرمالیا تھا۔ لہٰذا ان کی نقل کردہ روایات کی اتباع کرنا اور ان کے نقش قدم پر چلنا اور ان کے لیے استغفار کرنا واجب ہے۔

ابن حجر آل بوطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مذہب سلف سے مراد وہ منہج اور طریقہ ہے جس پر صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمۂ کرام قائم تھے۔ اس میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں جو کسی بدعت میں ملوث تھے، یا خوارج وغیرہ جیسے کسی لقب سے معروف ومشہور تھے۔

ان سطور بالا کا خلاصہ یہ نکلا کہ سلف صالحین سے مراد صحابہ کرام اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والے لوگ ہیں۔

فہمِ سلف کی ضرورت کیوں؟

۱۔ کیونکہ سلف صالحین سب سے زیادہ پاکیزہ سیرت وکردار کے مالک، گہرے علم کے حامل اور دلوں میں سب سے زیادہ اخلاص وللّٰہیت رکھنے والے تھے۔

۲۔ کیونکہ انہیں رسول پاک ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی معیت میں انہوں نے جہاد کیا اور آپ کی سیرت طیبہ کو قریب سے جانا پہچانا۔

۳۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی پاک کی صحبت کے لیے منتخب فرمایا۔

۴۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت ساری آیات کے اندر ان سلف صالحین کا تزکیہ فرمایا ہے اور ان کی تعریف وتوصیف بیان کی اور ان سے اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان کیا ہے۔

۵۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے ان کی اتباع اور اقتدا کا حکم دیا ہے۔

۶۔ کیونکہ ان سلف صالحین نے دین میں کوئی نئی چیز نہیں ایجاد کی نیز ان کا اجماع بھی قطعی حجت اور دلیل ہے۔

۷۔ کیونکہ وہ اس امت کے افضل ترین لوگ اور نصوص شریعت کی سب سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھنے والے تھے۔

۸۔ کیونکہ قرآن کی تفسیر اور قرآن کی زبان کے متعلق سب سے زیادہ علم ومعرفت رکھنے والے تھے۔

۹۔ کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ذکر فرمایا کہ فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والی جماعت) وہ ہے جو رسول پاک اور ان کے صحابۂ کرام کے طریقہ پر کاربند ہوگی۔

سلف صالحین کی منقبت اور فضیلت کے بارے میں درج ذیل آیات کریمہ شاہد ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

ترجمہ: ''لیکن خود رسول اللہ (ﷺ) اور اس کے ساتھ کے ایمان والے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں، یہی لوگ بھلائیوں والے ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں'' [التوبة:۸۸]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

ترجمہ: ''اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے'' [التوبة:۱۰۰]

یہ آیت کریمہ: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ﴾

ترجمہ: ''اور اپنے آپ کو انہی کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں اور اسی کے چہرے کا ارادے رکھتے ہیں (رضامندی چاہتے ہیں) خبردار! تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں'' [الكهف:۲۸]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

ترجمہ:''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوگیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کررہے تھے''[الفتح:۱۸]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

ترجمہ:''جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہوجانے کے بھی رسول (ﷺ) کے خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے''[النساء:۱۱۵]

سلف صالحین کی فضیلت ومنقبت میں بہت ساری احادیث مروی ہیں۔

چنانچہ حدیث کی کتابوں میں صحابۂ کرام کے فضائل سے متعلق مستقل ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ ذیل میں کچھ احادیث پیش کی جارہی ہیں:

صحیح بخاری ومسلم کی روایت ہے، رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

''خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِينَ يَلُونِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ''

''میری امت کے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آنے والے ہیں''[بخاری:۲۶۵۲، ومسلم:۲۵۳۳]

ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: اس حدیث میں ''میرے زمانے والوں'' سے مراد صحابۂ کرام ہیں۔ اس کے بعد آنے والوں سے مراد تابعین ہیں۔ اور ان کے بعد آنے والوں سے مراد تبع تابعین ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کا مقصود یہ نکلا کہ صحابۂ کرام تابعین سے افضل ہیں اور تابعین تبع تابعین سے افضل ہیں۔[فتح الباری:۵/۷]

امام نووی رحمہ اللہ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔

صحیح مسلم اور مسند احمد میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ بیان فرماتے ہیں:

''النُّجُومُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ، فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُومُ أَتَى السَّمَاءَ مَا تُوعَدُ، وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِي، فَإِذَا ذَهَبْتُ أَتَى أَصْحَابِي مَا يُوعَدُونَ، وَأَصْحَابِي أَمَنَةٌ لِأُمَّتِي، فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِي أَتَى أُمَّتِي مَا يُوعَدُونَ''

ترجمہ:''ستارے آسمانوں کے لیے امان ہیں جب ستارے فنا ہوجائیں گے تو آسمان پر قیامت آجائے گی۔ میں

اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں، جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ چیز آئے گی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ چیز آئے گی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے'' [مسلم: ۲۵۳۱، وأحمد: ۱۹۵٦٦]

صحیح بخاری ومسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

''لَا تَسُبُّوا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِي، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ''

ترجمہ: ''میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو۔ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو ان کے خرچ کیے ہوئے ایک مُد اور آدھے مُد کے برابر بھی نہیں پہنچے گا'' [مسلم: ۲۵٤۰، بخاری: ۳٦۷۳]

فرقۂ ناجیہ والی حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً فَقِيلَ لَهُ: مَا الْوَاحِدَةُ؟ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وأصحابي''

ترجمہ: ''عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک کے سوا سارے فرقے جہنم میں جائیں گے۔ دریافت کیا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ ایک فرقہ کون سا ہوگا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: یہ فرقہ وہ ہوگا جو اس منہج اور طریقے پر چلے گا جس طریقے پر آج میں اور میرے صحابہ چل رہے ہیں'' [أخرجه الترمذی: ۲٦٤۱، واللفظ له، والطبرانی: ۱٤/٥۳ (۱٤٦٤٦)، والحاكم (٤٤٤)]

مصنف ابن ابی شیبہ میں واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''لا تزالون بخير مادام فيكم من رآني وصاحبني، واللّٰه لا تزالون بخير مادام فيكم من رأى من رآني وصاحب من صاحبني''

ترجمہ: ''تم لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی میں رہو گے جب تک تمہارے درمیان وہ لوگ موجود ہوں گے جنہوں نے مجھے دیکھا اور میری صحبت پائی ہے۔ اللہ کی قسم تم لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی میں رہو گے جب تک تمہارے مابین وہ لوگ موجود ہوں گے جنہوں نے میرے صحابہ کو دیکھا اور میرے صحابہ کی صحبت پائی ہے'' [أخرجه ابن أبی شيبة: ٤/۱۲٤٦۳، وابن أبی عاصم: ۱٤۱۸، وصحّحه الألبانی فی الصحيحة: ۳۲۸۳]

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِى فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِى وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ''

ترجمہ: ''میں تمہیں اللہ کے تقویٰ اور حاکم کی سمع واطاعت کی وصیت کرتا ہوں اگر چہ تمہارا حاکم کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا۔ تم میں سے جو ایسا زمانہ پائے تو اس وقت میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھے'' [أخرجه أبو داؤد:٤٦٠٧،واللفظ له، وأحمد :١٧١٨٥]

اس حدیث میں خلفائے راشدین کی سنت سے مقصود وہی ہے جو اس ٹکڑے ''**ما أنا عليه اليوم وأصحابى**'' کا مفہوم ہے۔ اس کی دلیل درج ذیل اقوال ہیں۔ اس جملے کا یہ مفہوم نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے علاوہ خلفائے راشدین کی کوئی الگ سنت ہے جس کی اتباع کی جائے گی۔ بلکہ صحابہ نے خود اللہ کے رسول ﷺ کی سنت اور طریقے کی پیروی کی۔ اس لیے اس کا مفہوم وہ طریقہ اور سنت ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کی سنت اور ان کے طریقے سے موافق اور مطابق ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رہی بات خلفائے راشدین کی سنت کی تو انہوں نے رسول پاک کے حکم سے جو عمل اور طریقہ اختیار کیا وہ بھی سنت رسول ہی کے حکم میں ہے۔ اور دین میں وہی چیز واجب، حرام اور مستحب ہے جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے واجب یا حرام یا مستحب قرار دیا ہے''۔ [شيخ الإسلام :٢٨٢/١]

فُلّانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سنت کی نسبت اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اس لیے کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی جب وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر وعمر دونوں سنت رسول پر قائم تھے۔ اس لیے اس حدیث کو اسی معنی پر محمول کرنا چاہیے۔ ایسی صورت میں یہاں (**فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء**) عطف کرنے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ سنت رسول سے الگ خلفائے راشدین کی کوئی مستقل سنت نہیں جس کی اتباع کی جائے''۔ [إيقاظ همم أولى الأبصار: ص:٢٣]

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''خلفائے راشدین کی اتباع کا حکم دو صورتوں سے خالی نہیں: ایک صورت یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی سنت کے علاوہ خلفائے راشدین کو انہیں اپنی سنت ایجاد کرنے کا جواز فراہم کیا تھا۔ یہ ایسی بات ہے جسے کوئی بھی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے رسول نے خلفائے راشدین کی اتباع کا حکم اس صورت میں دیا ہے جب وہ سنت رسول کی اقتدا کریں۔ اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس حدیث کو اسی

دوسری صورت پر ہی محمول کیا جائے گا'' [الإحکام في أصول الأحکام: ۶/۷۶-۷۸]

سلف صالحین کے چند امتیازی اوصاف:

(أ) سلف صالحین اس امت کے سب سے افضل اور بہترین لوگ ہیں۔اس کی دلیل بخاری اور مسلم کی یہ حدیث ہے: ''میری امت کے سب سے افضل میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آنے والے ہیں''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علمی اور دینی اعتبار سے نیک شہرت رکھنے والا ہر شخص اس بات کا معترف ہے کہ اس امت کے سب سے افضل لوگ صحابہ کرام ہیں''۔[شرح الأصفھانیة: ۱۲۸]

(ب) سلف صالحین اس امت کے سب سے زیادہ نصوص شریعت کی سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگ ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم، تورات اور انجیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف وتوصیف بیان فرمائی ہے۔صحابۂ کرام نے اللہ کے رسول ﷺ کی سنتوں کو ہم تک پہنچایا۔انہوں نے آپ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کا قریب سے مشاہدہ کیا۔اس لیے انہیں اللہ کے رسول کی مراد کا علم اور آپ کے سنت کی معرفت حاصل ہوئی۔وہ علم واجتہاد، ورع وتقویٰ اور عقل وفہم ہر لحاظ سے ہم سے افضل ہیں۔ان کی آراء واجتہادات ہماری اپنی آراء سے زیادہ لائق تعریف اور ہمارے لیے زیادہ قابل اقتدا ہیں۔اگر ان کا کوئی قول موجود ہے اور اس کے برخلاف کسی اور کا قول نہیں ہے تو ہم انہی کے قول کو لازم پکڑتے ہیں''۔ [إعلام الموقعین: ۱/۸۰]

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سنت وحدیث کے حاملین، اللہ کے رسول اور آپ کے مقرب صحابہ کے علم وآثار کے خوشہ چیں اس علمی ورثے کا زیادہ علم رکھتے ہیں۔چنانچہ دین کے متعلق ان کے علم وفہم، عمل اور عقیدے کو جو فوقیت و برتری حاصل ہے، مقصود شریعت کو سمجھنے میں اس کا اپنا ایک وزن اور اعتبار ہے۔اس لیے صحابہ کرام کے فتاوے اور سلف کے اقوال وآثار پر عمل متأخرین کے آراء وفتاویٰ سے زیادہ افضل اور بہتر ہے''۔ [إعلام الموقعین: ۴/۱۱۸]

(ج) سلف صالحین قرآن کریم کے بارے میں زیادہ علم رکھنے والے ہیں: ''اس لیے کہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا۔اور وہ اہل عرب میں سب سے زیادہ فصیح زبان کے مالک تھے۔اسی لیے انہوں نے اپنے دین میں کوئی نئی چیز نہیں ایجاد کی''۔

امام سیوطی رحمہ اللہ کا بیان ہے: ''میں نے امام شافعی سے پہلے بھی علماء اور ائمہ کو امام شافعی کی طرح اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پایا کہ بدعتوں کے ایجاد کا سبب عربی زبان سے عدم واقفیت اور جہالت ہے''۔[صون المنطق: ص: ۲۲]

(د) سلف صالحین قرآن کی تفسیر کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔اس لیے کہ وہ قرآن کی زبان کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ نیز قرآن کو سیکھنے، اسے حفظ کرنے اور اس کی تفسیر جاننے کے بہت زیادہ حریص اور شوقین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر قرآن کے بہتر طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے ذریعہ تفسیر کرنے کے بعد صحابہ اور تابعین کے اقوال وآثار سے اس کی تفسیر کی جائے۔

حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''طالب علم کو معلوم ہونا چاہیے کہ صحابی کی تفسیر جس نے وحی اور قرآن کو اترتے دیکھا وہ تفسیر شیخین (بخاری ومسلم) کے نزدیک مسند حدیث کا درجہ رکھتی ہے''۔[المستدرك:۲/۲۵۸]

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خوارج سے کہا تھا: ''میں صحابۂ رسول کے پاس سے آرہا ہوں، اور ان میں سے کوئی بھی تمہارے درمیان موجود نہیں ہے۔ یہ قرآن کریم انہی صحابہ پر نازل ہوا اور وہ اس کی تفسیر کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں''۔ [جامع بيان العلم:۲/۱۲۷]

سلف صالحین کے متعلق اس امت کے علماء اور ائمہ کرام کے اقوال:

(۱) صحابۂ کرام اور سلف صالحین کے بلند مقام ومرتبہ کو بیان کرنا اہل سنت کا شعار رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسے اپنے عقیدے میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں: ''ہمارے نزدیک عقیدہ کے بنیادی اصول میں سے صحابۂ کرام کے منہج اور طریقے کو مضبوطی سے تھامے رہنا ان کی اتباع کرنا اور بدعات سے اجتناب کرنا ہے''۔[شرح أصول السنة للالكائی :۱/۱۵۶]

(۲) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے: ''جو تم میں سے اقتدا کرنا چاہتا ہے وہ صحابۂ رسول کی اقتدا کرے کیونکہ وہ اس امت کے سب سے زیادہ نیک دل، گہرے علم، کم تکلف اور سب سے بہتر منہج اور طریقے کے حامل تھے۔ یہ ایسے مقدس لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی نشر واشاعت کے لیے پسند فرمالیا۔ اس لیے ان کی قدر ومنزلت کو پہچانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو یقیناً وہ لوگ سیدھے راستے پر قائم تھے''۔ [ابن عبد البر فی جامع بيان العلم:۲/۱۱۹]

(۳) حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اے علماء کی جماعت! تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے اور راستے پر چلو۔ اگر تم اس راستے پر سیدھے چلتے رہے تم ہدایت یاب ہو جاؤ گے اور اگر تم اسے چھوڑ کر دائیں بائیں کا راستہ اختیار کروگے تو تم بہت دور گمراہی میں جا گروگے''۔[جامع بيان العلم:۲/۱۱۹،وأصله فی البخاری فتح:۱۳/۲۵۰،رقم:۷۲۸۲]

(۴) عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے بعد خلفاء راشدین نے جو سنتیں بتائی ہیں، ان پر عمل کرنا گویا قرآن کریم کی تصدیق کرنا ہے۔ کسی کے لیے اس میں ردوبدل کرنے کا اختیار نہیں۔ جو ان کی سنتوں کی پیروی کرے گا وہ ہدایت یاب ہوگا۔ اور جو ان سے بصیرت حاصل کرے گا وہ بصیرت یاب ہوگا اور جو ان کی مخالفت کرکے اہل ایمان کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے حوالے کردے گا اور جہنم میں ڈال دے گا اور جہنم کیا ہی برا ٹھکانا ہے''۔[اللالکائی ۹٤/۱، والآجرّی فی الشریعة :ص:٤٨، وابن عبد البر فی الجامع:۲۲۸/۲]

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مالک بن انس اور دیگر ائمۂ کرام عمر بن عبدالعزیز کے اس قول کو بنظر استحسان دیکھتے تھے اور ہمیشہ اسے بیان کرتے تھے''۔ [إعلام الموقعین:۱۵۱/٤]

(۵) امام اوزاعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ''اپنے آپ کو سنت پر قائم رکھو اور وہیں ٹھہر جاؤ جہاں سلف صالحین کے قدم ٹھہر گئے۔ وہی بات کہو جو وہ کہہ گئے ہیں اور جہاں وہ خاموش رہے وہاں خاموشی اختیار کرو۔ سلف صالحین کے نقش قدم پر چلو اس لیے کہ جو گنجائش کا دائرہ ان کے لیے تھا وہی تمہارے لیے بھی ہے۔ اور اگر یہ کار خیر ہوتا تو اسلاف کو چھوڑ کر تمہیں ہی صرف یہ شرف نہ ملتا''۔[اللالکائی :۱۵٤/۱، فی أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة]

(۶) ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صحابۂ کرام سارے کے سارے جنتی ہیں۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾[النساء:۹۵][الإصابة لابن حجر :۱۰/۱]

(۷) ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں: ''اگر تم دیکھو کہ کوئی کسی صحابی کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق یعنی بددین ہے''۔[الإصابة :۱۰/۱]

فہم سلف کے مطابق قرآن وسنت کو سمجھنے کے فوائد وثمرات:

۱۔ قرآن وسنت اور سلف صالحین کے اجماع کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہنے سے ایک مسلمان اختلاف وانتشار اور مختلف آراء واجتہادات کے تضاد سے محفوظ رہتا ہے۔

۲۔ شرعی دلیل پر سلف صالحین کے عمل وفہم پر غور وفکر کرنے سے استدلال کی صحت وصداقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کیونکہ سلف صالحین کے کسی دلیل پر عمل کرنے سے اس دلیل میں کسی احتمال کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہتا اور دیگر اشکالات بھی دور ہوجاتے ہیں۔

شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''شرعی دلیل پر غور وفکر کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دلیل کے متعلق سلف

صالحین کے فہم اور ان کے عمل کو سامنے رکھے۔اس لیے کہ ان کا فہم وعمل زیادہ درست اور علم وعمل کے لئے زیادہ مناسب وپائیدار ہے''۔ [الموافقات:۳/۷۷]

۳۔ سلف صالحین کے فہم وعمل پر چلنے سے انسان غلط اور باطل قول وعمل میں پڑنے سے محفوظ رہتا ہے۔اس لیے کہ صحابہ اور سلف صالحین نے جن چیزوں میں خاموشی اختیار کی ہے اور بعد کے لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے تو اس میں خاموشی ہی زیادہ لائق اور مناسب تھی۔نیز بعد کے لوگوں نے اس میں غلط اور باطل چیز ہی ایجاد کی ہے۔

۴۔ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے بدعت وگمراہی کی بنیاد اور جڑ کا قلع قمع ہوتا ہے۔اس لیے کہ بعض گمراہ فرقے اپنے مذہب کی حمایت اور بدعات کی تائید کے لیے نصوص شریعت میں تحریف کرتے ہیں۔جبکہ ان نصوص کو سمجھنے کے لیے سلف صالحین کا فہم ہی فیصل اور برحق ہے۔اس کے علاوہ سب گمراہی اور اختلاف وانتشار ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾

''اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں،اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں'' [البقرۃ:۱۳۷]

۵۔ مخالف کو جواب دینے کے لیے سلف صالحین کے فہم کا استعمال: چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خوارج سے مناظرہ کے وقت کہا تھا:''میں تمہارے پاس صحابۂ رسول کے پاس سے آرہا ہوں اور تمہارے درمیان کوئی بھی ان میں سے موجود نہیں ہے۔حالانکہ قرآن انہی پر نازل ہوا ہے اور وہی اس کی تفسیر کو زیادہ بہتر جاننے والے ہیں''۔[جامع بیان العلم:۲/۱۲۷]

ابن عباس کے اس اثر سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بدعت میں کوئی بھی صحابی شامل نہیں حالانکہ سارے بدعتی فرقوں کی بنیاد ان کے زمانے میں پڑ چکی تھی۔

ہر وہ فرقہ اور گروہ جس میں کوئی صحابی نہ ہو تو وہ گویا گمراہی پر ہے۔

صحابۂ کرام کی جانب میلان اور رجحان رکھنا یعنی ان کے مذہب اور منہج کو مضبوطی سے تھامے رہنا یہی عین کامیابی اور نجات کی بنیاد ہے۔

منہجِ صحابہ کو ہمیشہ بطور حجت اور دلیل پیش کیا جائے گا نہ کہ اس کے برعکس۔

صحابۂ کرام قرآن کی تفسیر کے بارے میں زیادہ علم رکھتے تھے۔

دارقطنی کی روایت ہے، عباد بن العوام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہمارے پاس شُریک تشریف لائے تو ہم نے ان سے کہا: ہمارے یہاں کچھ معتزلہ کے لوگ ان احادیث کا انکار کرتے ہیں: ''**إن اللّٰه ينزل إلى السماء الدنيا و إن أهل الجنة يرون ربهم**'' انہوں نے جواب دیا: رہی ہماری بات تو ہم نے اپنا دین تابعین کی نسل سے اور تابعین نے صحابۂ کرام سے اخذ کیا ہے۔ بھلا بتاؤ ان لوگوں نے یہ دین کہاں سے حاصل کیا ہے؟'' [كتاب الصفات للدارقطني :ص:٤٣]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے بارہا کہا ہے کہ میں نے اپنے مخالفین کو تین سال کی مہلت دی، کوئی بھی شخص قرون مفضّلہ میں سے کسی کا بھی کوئی ایک حرف لے کر کے آئے جو میرے موقف اور دلیل کے مخالف ہو تو میں رجوع کرنے کے لیے تیار ہوں''۔[الفتاوى لابن تيمية :١٦٩/٣]

پھر آگے فرماتے ہیں: ''میرے مخالفین ملک کی پوری کتابوں کو چھان مارنے کے باوجود بھی کوئی ایسی چیز ثابت نہ کر سکے جو ائمۂ اسلام اور سلف صالحین کے خلاف ہو'' [الفتاوى لابن تيمية :٢١٧/٣]

خلاصہ کلام:

سطور بالا سے ہمیں درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں: سلف صالحین تمام صحابۂ کرام ہیں۔ لہٰذا ان کی اتباع کرنا اور دین کو ان کے منہج اور طریقہ کے مطابق سمجھنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ صحابۂ کرام اس امت کے سب سے افضل لوگ ہیں اور قرآن وسنت اور عربی زبان کے بارے میں زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔

سلف کی اصطلاح ہر اس شخص کے لیے استعمال کی جاتی ہے جس کا عقیدہ و منہج اللہ کے رسول اور صحابۂ کرام کے عقیدہ اور منہج کے مطابق ہو۔

رہی بات سلفیت کی تو یہ سلف کی طرف منسوب ہے اور یہ صحیح منہج کی طرف قابل تعریف انتساب ہے۔ یہ کوئی نیا مذہب اور مسلک نہیں ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں کوئی عیب اور حرج کی بات نہیں کہ کوئی شخص مذہب سلف کو اپنائے اور اس کی طرف اپنی نسبت کرے بلکہ بالاتفاق اسے قبول کرنا واجب اور ضروری ہے۔ کیونکہ سلف صالحین کا منہج ہی برحق ہے۔ [الفتاوى لابن تيمية:١٤٩/٤]

لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ سلف یعنی صحابہ کی طرف انتساب کرے اور قرآن وسنت کو ان کی فہم کے مطابق سمجھے اور عقائد وعبادات اور اخلاق ومعاملات میں ان کے منہج اور طریقے کی خلاف ورزی نہ کرے۔

قسط:۱

مبادئی توحید ربوبیت

عبیداللہ الباقی اسلم

أولاً: توحید ربوبیت کی تعریف:

أ۔ توحید ربوبیت کی لغوی تعریف:

لفظ ''ربوبیت'' یہ ''ربّ'' فعل کا مصدر ہے۔ دیکھیں:[المفردات للراغب الأصبهانی:ص:۳۳٦]

لفظ ''رب'' کا اطلاق چند معانی پر ہوتا ہے:

۱۔ مالک، ۲۔ سیّد، ۳۔ مُدبّر، ۴۔ مُربّی، ۵۔ قَیّم، ۶۔ مُنعم دیکھیں: [لسان العرب لابن منظور:۱/۳۹۹]

لفظ ''رب'' کا استعمال دو طریقے سے ہوتا ہے:

أ۔ اضافت کے ساتھ

ب۔ بغیر اضافت کے ساتھ

جب لفظ ''رب'' کا استعمال اضافت کے ساتھ ہو تو اس کا اطلاق اللہ کے علاوہ دوسروں پر بھی ہوسکتا ہے، جیسے ''رب البیت'' گھر کا مالک، لیکن جب یہ معرف باللام (الرب) ہو تو اس کا اطلاق صرف اللہ کی ذات پر ہوتا ہے۔

ابن منظور کہتے ہیں کہ: ''اور بغیر اضافت کے اس کا اطلاق صرف اللہ عزوجل ہی پر ہوسکتا ہے، اور جب اللہ کے علاوہ دوسروں پر اس کا اطلاق کیا جائے، تو ایسے میں اس کی اضافت کرنا ضروری ہے، لہٰذا یوں کہا جائے گا: ''رب کذا''، ''فلاں چیز کا مالک'' دیکھیں:[لسان العرب لابن منظور :۱/۳۹۹]

اور یہ نصوص شرعیہ سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

''حتی یُهِمّ رب المال من یقبل الصدقة''

''یہاں تک کہ مالدار شخص ایسے لوگوں کو تلاش کرتا پھرے گا جو اس کا صدقہ قبول کریں'' [صحیح البخاری :ح : ۱٤۱۲، وصحیح مسلم :ح:۱۵۷]

معلوم ہوا کہ ''الرب'' اور ''الربوبیۃ'' یہ دونوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے خاص ہیں:

۱۔ الرب:

اسم ''الرب'' اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ ''الألف اور اللام'' یہ دونوں عموم پر دلالت کرتے ہیں، یعنی ہر چیز کا مالک، اور یہ خصوصیت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

لہٰذا ''الرب'' سے مراد: وہ ذات ہے جو پیدا کرنے، حکم نافذ کرنے، اور حکمرانی کرنے جیسے خصائص سے متصف ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾

''یاد رکھو پیدا کرنے اور حکم دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے'' [سورة الأعراف:٥٤]

اور فرمایا: ﴿ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾

''وہی ہے اللہ تم سب کا پروردگار اسی کی سلطنت ہے'' [سورة فاطر:١٣]

ابن منظور کہتے ہیں کہ: ''رب اللہ عزوجل ہے، جو ہر چیز کا مالک ہے، اسے تمام مخلوقات پر ربوبیت کامل حاصل ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، وہی تمام مالکوں کا مالک، اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے'' دیکھیں: [لسان العرب لابن منظور :٣٩٩/١]

اور ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''اور ''الرب'' جس طرح اللہ کے لئے کہا جاتا ہے، اس طرح سے اُلف اور لام کے ساتھ کسی اور کے لئے نہیں کہا جاسکتا ہے، بلکہ یوں کہا جائے گا ''رب کـــــذا'' ''فلاں چیز کا مالک'' دیکھیں: [تفسير غريب القرآن :ص:٩]

۲۔ الربوبیۃ:

یہ ''ربّ''، فعل کا مصدر ہے۔

امام راغب فرماتے ہیں: ''ربوبیت کا اطلاق صرف اللہ کے لئے ہوتا ہے، جبکہ ربایہ اور تربیہ کا اطلاق اللہ کے علاوہ دوسروں کے لئے ہوتا ہے'' دیکھیں: [المفردات للراغب الأصبهانی:ص:١٨٤]

لہٰذا ربوبیت کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ ہی اپنی مخلوقات کی دیکھ بھال کرتا ہے، انہیں پیدا کرتا ہے، ان کے لئے رزق کا انتظام کرتا ہے، ان کی تقدیر مقدر کرتا ہے، ان کے انجام کا فیصلہ کرتا ہے، اور ان کے معاملات میں تدبیر کرتا ہے۔ دیکھیں: [الربوبية للدكتور محمد بن عبد الرحمٰن الجهنی:ص:١٠]

خلاصہ یہ ہے کہ:

فعل ''ربّ'' سے دو ایسے الفاظ مشتق ہیں جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں، ان میں سے ایک اسم (الرب) ہے، جبکہ

دوسرا مصدر (الربوبیۃ) ہے۔دیکھیں:[الربوبية للدكتور محمد بن عبد الرحمٰن الجهنی:ص:۷۔۹]

ب۔ توحید ربوبیت کی شرعی تعریف:

۱۔اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق اور اس کا مالک ہے۔دیکھیں:[منهاج السنة النبوية لابن تيمية:۲۸۹/۳]

۲۔ اللہ کو اس کے تمام کاموں میں ایک مان لینا، جیسے پیدا کرنا، مالک ہونا، معاملات کی دیکھ بھال کرنا، رزق دینا، زندگی عطا کرنا، موت دینا، بارش برسانا وغیرہ.....دیکھیں:[تيسير العزيز الحميد:ص:۳۳]

۳۔ اللہ کو پیدا کرنے، مالک ہونے، اور تدبیر کرنے میں اکیلا ماننا۔دیکھیں:[القول المفيد لابن العثيمين:۱٤/۱]

خلاصہ یہ ہے کہ:

مذکورہ تعریفات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ توحید ربوبیت کا مطلب یہ ہے کہ:''اللہ تعالیٰ اپنے تمام کاموں میں اکیلا اور تنہا ہے''

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبیت پر ایمان رکھنے والوں پر درج ذیل امور واجب ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان رکھنا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے تمام کاموں پر ایمان رکھنا، جیسے: پیدا کرنا، رزق دینا، نفع ونقصان مالک ہونا، عطا کرنا، محروم کرنا، زندگی دینا، موت دینا وغیرہ۔

۳۔ اللہ کی قضاء وقدر پر ایمان رکھنا، اس لئے کہ کائنات کے اندر جو کچھ واقع ہوتا ہے، اور جن مقادیر کو اللہ تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے وہ سب دراصل اللہ عزوجل کے کاموں میں سے ہیں۔دیکھیں:[المفيد فی مهمات التوحيد للدكتور عبد القادر عطاء صوفی:ص:۷٤۔۷۵]

ثانیاً: توحید ربوبیت کے چند نام:

۱۔توحید علمی: ہر شخص کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ اللہ ہی اس کا حقیقی خالق ہے، اور اس پر اللہ کے بے شمار احسانات ہیں۔

۲۔ توحید خبری: اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں یا اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لئے جن افعال کو ثابت کیا ہے، ان تمام افعال میں اللہ کو ایک ماننا ضروری ہے۔

۳۔ توحید المعرفہ والاثبات: ذات الٰہی کی معرفت، اور اس کے افعال کی جانکاری حاصل کرنا، اور اللہ کو اس کے

تمام افعال وصفات میں یکتا سمجھنا ضروری ہے۔

۴۔ توحید اعتقادی: اس بات پر پختہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ اللہ اپنے تمام افعال میں تنہا اور اکیلا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ:

سلف صالحین کی کتابوں میں مذکورہ ناموں کے ساتھ توحید ربوبیت کا ذکر آیا ہے۔

ثالثاً: ربوبیت کی انواع:

۱۔ ربوبیت عامہ: اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کو پیدا کرتا ہے، انہیں رزق دیتا ہے، انہیں زندگی عطا کرتا ہے، اور وہی انہیں موت بھی دیتا ہے۔

ربوبیت عامہ کی خصوصیت:

اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا خالق، مالک، اور مدبر ہے۔

۲۔ ربوبیت خاصہ: اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے دل اور روح کی اصلاح فرماتا ہے، اور ان کے اخلاق میں اچھائی پیدا کرتا ہے۔

ربوبیت خاصہ کی خصوصیت:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خیر و بھلائی کی توفیق دیتا ہے، اور وہی ہر طرح کی شر و برائی سے انہیں بچاتا بھی ہے۔

دیکھیں:[الربوبية للدكتور محمد بن عبد الرحمٰن الجهنى:ص:۱۸۔۱۹]

معلوم ہوا کہ اللہ رب العالمین ہی حقیقی خالق و مالک ہے، وہی تمام مخلوقات کے امور میں تدبیر کرتا ہے، اور اپنے نیک بندوں پر خاص عنایتیں فرماتا ہے۔

رابعاً: توحید ربوبیت کے اصول، اور ان کے دلائل:

أ۔ توحید ربوبیت کے اصول:

۱۔ خلق: اللہ تعالیٰ پوری دنیا اور اس میں بسنے والی تمام مخلوقات کو پیدا کرنے والا ہے۔

۲۔ ملک: اللہ سبحانہ وتعالیٰ سارے جہاں کا مالک ہے۔

۳۔ تدبیر: اللہ عزوجل پوری کائنات اور اس میں پائی جانے والی تمام مخلوقات کے امور میں تدبیر کرنے والا ہے۔

ب۔ اصولِ ربوبیت کے دلائل:

پہلی اصل (خلق) کے دلائل:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾

''اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے'' [سورة الزمر :٦٢]

۲۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ﴾

''کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور بھی خالق ہے؟'' [سورة فاطر :٣]

۳۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾

''یاد رکھو پیدا کرنے اور حکم دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے'' [سورة الأعراف:٥٤]

دوسری اصل (ملک) کے دلائل:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾

''بہت بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے'' [سورة الملك :١]

۲۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ﴾

''آسمان اور زمین اور جو کچھ ان (دونوں) میں ہے سب پر اللہ کی بادشاہی ہے'' [سورة المائدة :١٢٠]

۳۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، مَلِكِ النَّاسِ، إِلٰهِ النَّاسِ﴾

''آپ کہہ دیجئے! کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں، (جو) لوگوں کا مالک ہے، (اور) لوگوں کا معبود ہے'' [سورة الناس :١-٣]

تیسری اصل (تدبیر) کے دلائل:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ﴾

''وہ آسمان سے لے کر زمین تک (ہر) کام کی تدبیر کرتا ہے'' [سورة السجدة:٥]

۲۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾

''اور کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے، ضرور وہ یہی کہیں گے کہ اللہ'' [سورة يونس:٣١]

اللہ عزوجل نے مذکورہ تینوں اصولوں (خلق، ملک، اور تدبیر) کو ایک ہی جگہ متعدد آیتوں میں ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَیْءٍ قَدِيرٌ﴾

''اور وہی آسمان وزمین اور ان کے درمیان ساری مخلوقات کا مالک ہے، جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے'' [سورة المائدة :۱۷]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ربوبیت کی پہلی اصل (خلق) کو ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ کہہ کر بیان فرمایا ہے، دوسری اصل (ملک) کو ﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ کے ذریعہ سے واضح کیا ہے، جبکہ ربوبیت کی تیسری اصل (تدبیر) کی طرف ﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ سے اشارہ فرمایا ہے۔ دیکھیں:

[الربوبية للدكتور محمدبن عبد الرحمٰن الجهنی:ص:۱۰-۱۸]

خامسًا: توحید ربوبیت کے اصولوں کے تقاضے :

ان اصولِ ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص اس بات پر ایمان رکھے کہ جس اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے، وہی اس کا مالک ہے، اور جو مالک حقیقی ہے، وہی دنیا کے سارے امور کی تدبیر بھی کرنے والا ہے۔

اور اس رب العالمین کی صفت ربوبیت، صفت کمال اور صفت خلق اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ خالق حقیقی ہی عبادت کا اصل مستحق ہوسکتا ہے:

﴿ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ﴾

''یہ اللہ تعالیٰ تمہارا رب! اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، سو اسی کی عبادت کرو''

[سورة الأنعام :۱۰۲]

لہٰذا وہ شخص معبود نہیں ہوسکتا ہے جس کے اندر خلق کی قدرت نہ ہو:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ﴾

''کہہ دیجئے! کہ اللہ کے سوا جن جن کا (معبود ہونے کا) تمہیں گمان ہے (سب) کو پکار لو، نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرہ کا اختیار ہے، نہ میں ان کا کوئی حصہ ہے، نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے''

[سورة سبأ:۲۲]

اور نہ ہی وہ شخص معبود ہوسکتا ہے جس کے اندر کوئی عیب یا نقص ہو، جیسا کہ سیدنا ابرہیم علیہ الصلاۃ السلام نے اپنے باپ سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا﴾

''جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابّا! آپ ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں'' [سورة مريم:٤٢]

اس کے برعکس وہ خالقِ ارض وسماء کامل الصفات ہے، اس کی ذات میں کسی قسم کا عیب ونقص نہیں ہے، جس کے بے شمار پیارے نام ہیں: ﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوهُ بِهَا﴾

''اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں سو ان ناموں سے اللہ کو پکارا کرو'' [سورة الأعراف:١٨٠]

جو بلند ترین صفتوں سے متصف ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى﴾

''اللہ تعالیٰ کے لئے تو بہت ہی بلند صفت ہے'' [سورة النحل:٦٠]

اور وہی منعم حقیقی ہے جس نے اپنے بندوں کو اس قدر نعمتوں سے نوازا ہے کہ انہیں شمار ہی نہیں کیا جاسکتا ہے:

﴿وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللّٰهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے، اور بے شک اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے'' [سورة النحل:١٨]

اور ان تمام نعمتوں کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صرف ایک ہی چیز طلب کرتا ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾

''اور اللہ عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو'' [سورة النساء:٣٦]

اور نبی کریم کا ارشاد گرامی ہے: ''فَإِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا''

''پس بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں'' [صحيح البخارى:٢٨٥٦، وصحيح مسلم: ح:٣٠]

اور یہی تخلیق انسانی کا اصل مقصود بھی ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

''اور میں نے جن وانسان کو صرف اپنی عبادت کے پیدا کیا ہے'' [سورة الذاريات:٥٦]

جاری ہے.....

☆☆☆

☆

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کی تفسیر سورۃ الفاتحہ (ام الکتاب) کے انتساب کا سبق آموز واقعہ

ابوالبیان رفعت سلفی

ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ غالباً ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے جب میں رانچی میں نظر بند تھا، عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر نکلا تو محسوس ہوا کہ کوئی شخص پیچھے آرہا ہے، مڑکر دیکھا تو ایک شخص کمبل اوڑھے کھڑا تھا، ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے اس شخص سے پوچھا آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟ ہاں جناب میں بہت دور سے آیا ہوں؟ کہاں سے؟ سرحد پار سے، یہاں کب پہنچے؟ آج شام کو پہنچا، میں بہت غریب آدمی ہوں، قندہار سے پیدل چل کر کوئٹہ پہنچا، وہاں چند ہم وطن سوداگر مل گئے تھے انہوں نے نوکر رکھ لیا اور آگرہ پہنچادیا، آگرہ سے یہاں تک پیدل چل کر آیا ہوں۔ افسوس تم نے اتنی مصیبت کیوں برداشت کی؟ اس لئے تاکہ آپ سے قرآن مجید کے بعض مقامات سمجھ لوں، میں نے ''الہلال'' اور ''البلاغ'' کا ایک ایک حرف پڑھا ہے، یہ شخص چند دنوں تک ٹھہرا، پھر یکایک واپس چلا گیا، وہ چلتے وقت اس لئے نہیں ملا کہ اسے اندیشہ تھا کہ میں اسے واپسی کے مصارف کے لئے پیسہ دوں گا، اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بار مجھ پر ڈالے، اس نے یقیناً واپسی میں بھی مسافت کا بڑا حصہ پیدل طے کیا ہوگا، مجھے اس کا نام یاد نہیں (مولوی دین محمد قندہاری) مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا نہیں، لیکن اگر میرے حافظے نے کوتاہی نہ کی ہوتی تو میں یہ کتاب (ام الکتاب) اسی کے نام منسوب کرتا۔ ابوالکلام آزاد۔

مذکورہ واقعہ سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ حصول علم کا سچا شوق انسان کے لئے مشکل سے مشکل سفر آسان بنادیتا ہے۔

۲۔ اگر حصول علم کی سچی لگن اور اخلاص موجود ہو تو بے سروسامانی کے باوجود بھی پختہ علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ علم تفسیر قرآن کے حصول کا جذبہ طالب علم کو کس قدر جفاکش بنادیتا ہے کہ شخص مذکور نے قندہار سے کوئٹہ اور آگرہ سے رانچی کا سفر پیدل طے کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

۴۔ کتاب وسنت کا علم حاصل کرنے کے لئے کتاب وسنت کے ماہر اور متخصص علماء ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

۵۔ اہل علم کے پاس اگر کوئی شخص اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لئے جائے تو اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بساط و طاقت بھر اپنے طالب علم کی عزت کریں اور اس کی علمی تشنگی بجھانے کے لئے اسے پورا پورا وقت دیں جیسا کہ مذکورہ واقعہ میں ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے پڑوسی ملک سے آنے والے علم کے پیاسے کے ساتھ کتنا عمدہ معاملہ فرمایا۔

ماہ رمضان اور ہماری ذمہ داریاں

ممتاز احمد سلفی: گلبرگہ

اسلام کے عائد کردہ فرائض واحکام سے انسانوں کو دنیا وآخرت کے اعتبار سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں، دنیوی فوائد میں بالخصوص انسانی نفس کی تطہیر وتہذیب کے ساتھ عبادتیں اس کے اخلاق وکردار میں نکھار لاکر ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کا سبب بنتے ہیں نیز باہمی الفت ومحبت کی فضا قائم کرکے دائمی تعلقات کے حصول ہدف کو یقینی بناتے ہیں اور اخروی فوائد میں بہترین اجر کا مستحق بنا کر انسان کی اخروی کامیابی کو یقینی بناتے ہوئے حصول جنت کی راہ ہموار کرتے ہیں، لیکن دنیوی واخروی فوائد سے وہی لوگ مستفید ہوتے ہیں جو لوگ احکام وعبادات کی انجام دہی سے قبل ان کے اہداف ومقاصد کو ملحوظ رکھتے ہیں اور پھر سنت کی پیروی کرتے ہوئے ان اعمال کو بجا لانے کی سعی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے متعدد فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ماہ رمضان کا روزہ بھی ہے، جو ماہ کہ اپنی تمام تر سعادتوں اور برکتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو چکا ہے، اس ماہ مبارک کے گزرنے کے ساتھ ہماری انفرادی واجتماعی زندگیوں میں انقلاب لانے کی بڑی سخت ضرورت ہے کیونکہ جب تک ہمیں اپنے اندر انقلاب لانے کی فکر نہیں ہوگی تب تک انقلاب نہیں آسکتا کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جسے قرآن مجید کے اندر بیان کیا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾

''اللہ کسی قوم کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں'' [الرعد: ۱۱]

بقول علامہ اقبال:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اس لئے اس ماہ مبارک کو اسی طرح گزاریں جیسا کہ ہمارے اسلاف نے گزارا، اور اس مہینے سے وابستہ فوائد وثمرات سے مالا مال ہوئے، انفرادی زندگی سے لیکر اجتماعی زندگی اور معاشرتی زندگی میں اصلاح کی کوششوں میں کامیابی حاصل کئے۔ اس کے لئے سب سے پہلے مقاصد رمضان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کیونکہ جب تک مقاصد پر ہم غور نہیں کریں گے اور ایسے ہی عبادت کو عادت کی حیثیت سے گزارتے رہیں گے، اس طرح سے ہماری زندگی میں ماہ

رمضان متعدد بار آنے کے باوجود ہمارے اندر انقلاب لانے کا سبب نہیں بن سکتا اور اگر مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک رمضان گزاریں تو ممکن ہے کہ وہی ہماری اصلاح کا ذریعہ بن جائے گا ان شاء اللہ۔ ذیل کے سطور میں رمضان کے چند مقاصد کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے جنھیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

۱۔ ماہ رمضان کے مقاصد میں سے سب سے اہم مقصد حصول تقویٰ ہے، جس کی صراحت فرضیت روزہ کے ساتھ ہی اللہ نے کیا، ماہ رمضان میں انسان کے لئے صبح سے شام تک کھانے پینے سے باز رہنے، جائز جنسی خواہشات کی تکمیل سے رکنے اور زبان کی حفاظت کرنے میں سوائے خوف الٰہی کے دوسری کوئی چیز نہیں ہوتی۔ گویا کہ اس ماہ سے یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ یہی کیفیت رمضان کے علاوہ ایام میں زندگی کے ہر محاذ پر ہونی چاہئے، تب جا کر روزہ ہمارے لئے مفید تر ثابت ہوسکتا ہے۔

۲۔ ماہ رمضان کا دوسرا اہم مقصد انسان کے اندر پائی جانے والی بہیمی صفت پر ملکوتی صفت کو غالب کرنا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر دو طرح کی صفتیں پائی جاتی ہیں، ایک بہیمی یعنی جانوروں والی صفت اور دوسری ملکوتی یعنی فرشتوں والی صفت، انسان اپنی زندگی کا نصب العین جب پیٹ بھرنا ہی بنالے تو اس کے اندر بہیمی صفت غالب آتی ہے کیونکہ جانوروں کی زندگی کا بس یہی مقصد ہے، ایسی صورت میں انسان شرافت کے معیار سے نیچے کی سطح میں زندگی گزارتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس انسان جب کھانے پینے سے بے نیاز رہتا ہے جو کہ فرشتوں والی صفت ہے تو انسان کے اندر اعلیٰ اوصاف پائے جانے لگتے ہیں اور ایسے ہی انسانوں کی غایت درجہ شرافت بیان کرنے کے لئے اسے فرشتہ صفت انسان کہا جانے لگتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جب انسان روزہ سے ہوتا ہے تو فرشتوں کی طرح کھانے پینے سے بے نیازی انسان کو فرشتوں کا عمل یعنی عبادت کی انجام دہی کا خوگر بنا دیتی ہے اور انسان فطری طور پر اس حالت میں عبادات کی انجام دہی کی طرف مائل ہوتا ہے جیسا کہ ماہ رمضان میں ہر شخص محسوس کرتا ہے۔

۳۔ ماہ رمضان کا تیسرا بنیادی مقصد: چونکہ انسان اس دنیا میں عبادت الٰہی کی خاطر پیدا کیا گیا، انسان اپنے مقصد تخلیق میں کس حد تک مصروف عمل ہے اس رفتار کا صحیح اندازہ متعین کرنے کے لئے ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت ہوئی، جس سے ہر مسلمان کو غیر رمضان میں اپنی عبادتوں کا معمول طے کرنا چاہئے۔

۴۔ مقاصد رمضان میں سے ایک اہم مقصد جذبۂ صبر کو عام کرنا ہے، اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ایک انسان حالت صوم میں رضائے الٰہی کی خاطر جائز چیزوں مثلاً کھانے، پینے اور جائز خواہشات کی موجودگی میں بھی ان تمام چیزوں سے اپنے کو روکتا ہے اور اسی کا نام صبر ہے جس سے یہ سنہرا پیغام ملتا ہے کہ ہمیں اپنے اندر کنٹرولنگ پاور پیدا کرنا چاہئے اور رمضان وغیر رمضان میں منکرات سے اپنے کو روکنا چاہئے، جیسا کہ کنٹرولنگ کا سبق ماہ رمضان میں دیا جاتا ہے۔

۵۔ ماہ رمضان کا ایک اہم مقصد جذبۂ ایثار کو فروغ دینا ہے، کیونکہ اس ماہ میں امیر وغریب کے لئے یکساں روزے کی فرضیت سب کو بھوک کے درد کا احساس دلاتی ہے اور بالخصوص معاشرے کا مالدار طبقہ اس عبادت کی انجام دہی سے ہی غربت وافلاس کی چکی میں پس رہے افراد کے کرب کو صحیح طور پر محسوس کرتا ہے، اور اسی وجہ سے مالدار آدمی اپنے مال سے غرباء کا تعاون کرتا ہے۔ بفرض محال اگر یہ عبادت فرض نہ ہوتی تو شدت بھوک کی تکلیف کا احساس ایک مالدار آدمی نہیں کرسکتا اور وہ غریبوں کی مدد کرنے میں اس قدر فراخدلی کا مظاہرہ نہیں کرتا جتنا کہ اس عبادت کی انجام دہی سے محسوس کرنے کے بعد کرتا ہے۔ اسی مقصد کو عام کرنے کے لئے رمضان کے روزوں کی فرضیت ہوئی۔

۶۔ اس ماہ مبارک کے اساسی مقاصد میں سے ایک مقصد اتحاد ویکسانیت کو عام کرنا ہے، کیونکہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں تمام مسلمانوں کو یکساں عبادت کا حکم دیا گیا ہے یعنی ایک وقت سے ایک مخصوص وقت تک تمام افراد کو کھانے پینے سے بے نیاز رہنا ہے، یہ عبادت فی الاتحاد اس بات کا اشارہ ہے کہ تمام افراد مسلم ایک جیسے ہیں، مسلمانوں کے درمیان طبقاتی تقسیم یہ اسلامی مزاج کے خلاف ہے، اسلام اس عبادت میں یکسانیت کا ماحول رکھ کر سب کو اتحاد کی تعلیم دیتا ہے۔

۷۔ ماہ رمضان کا ایک مقصد مسلمانوں کو پابندئ وقت کا خوگر بنانا ہے، کیونکہ ایک متعینہ وقت سے لے کر ایک متعینہ وقت تک کھانے پینے کی چیزوں کو ترک کرنا اور ایک لمحہ دیر تک کھانا اور وقت سے ایک لمحہ پہلے کھانے کی چیز منہ میں لینا گوارہ نہیں کیا جاتا۔ بعینہٖ یہی پیغام امت اسلامیہ کو دیا جاتا ہے کہ زندگی کے دیگر دوسرے مواقع پر وقت کی نزاکتوں کو سمجھ کر اس کی قدر کی جائے اور وقت سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔

۸۔ اخلاص وللّٰہیت کا سبق بھی اس مہینے سے ملتا ہے، اس لئے کہ ایک روزہ دار آدمی حقیقت میں روزہ اللہ کے لئے رکھتا ہے کیونکہ غیروں کے سامنے اپنے روزے کا اظہار اور خفیہ طور پر کچھ کھا پی کر اپنے نفس کو تسکین پہنچا سکتا ہے مگر حقیقی روزہ دار روزہ خالص اللہ ہی کے لئے رکھے گا کیونکہ خلوت وجلوت ہر مقام پر تسکین نفس سے مانع صرف اور صرف خوف الٰہی ہوسکتا ہے۔ اس عبادت سے یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ روزہ ہی نہیں بلکہ تمام عبادتوں کی انجام دہی میں خالص اللہ ہی کی رضا مطلوب ومقصود ہونی چاہئے۔

۹۔ قرآن مجید سے وابستگی، اس ماہ مقدس کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد لوگوں کو قرآن مجید سے جوڑنا اور قرآن کے آئین کا پابند بنانا ہے، اسی لئے اس مہینے کی نسبت قرآن سے جوڑی گئی ہے اور اس مہینے کا ربط قرآن سے واضح کیا گیا، اس لئے تاکہ ایک آدمی اس ماہ میں جہاں روزہ رکھتا ہے وہیں رمضان سے گہرا رشتہ ہونے کی وجہ سے قرآن کی تلاوت اپنے معمول کا ایک حصہ بنائے، اور اس ماہ میں جس طرح روزہ کے اصول کی پابندی کرتا ہے اسی

طرح آئینی حیثیت کی حامل کتاب قرآن مجید کو اپنی زندگی میں نافذ کرے۔

۱۰۔دعاؤں کی پابندی کرنا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جہاں رمضان کے روزے کی فرضیت اور مسائل واحکام بیان کئے وہیں درمیان میں دعا کا تذکرہ اس بات کی دلیل ہے کہ عبادتوں کو مقبولیت کا مقام فراہم کرنے میں دعاؤں کا اہم دخل ہے۔اس لئے ہر مسلمان کو بطور عبادت یا" الدعاء سلاح المومن" کے تحت دعا کا التزام کرنا چاہئے۔

درج بالا سطور میں ماہ رمضان کے مقاصد کی چند جھلکیاں پیش کی گئیں جن کی رعایت کرتے ہوئے ہمیں رمضان گزارنا چاہئے۔ذیل کے سطور میں ماہ رمضان کے اہتمام میں ہمارا کردار کیا ہونا چاہئے،مثبت ومنفی ہر دو پہلو سے چند باتیں ہدیۂ قارئین ہیں۔

اس ماہ رمضان میں نبی ﷺ کی سخاوت زیادہ ہو جاتی تھی یعنی کہ آپ ﷺ اس مہینے میں دیگر مہینوں کے مقابلے میں زیادہ ہی عبادات کی انجام دہی میں مستعد ہو جاتے۔(بخاری) اور ماہ رمضان کی برکتوں سے استفادہ کرنے کی خصوصی تاکید فرماتے،چنانچہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ منبر پر چڑھے اور منبر کی ہر سیڑھی پر آمین کہا،پھر بعد میں آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل آئے تھے اور انھوں نے کہا: اے محمد ﷺ جو شخص رمضان کا مہینہ پالے اور اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش نہ کروالے،اس پر اللہ کی لعنت ہو،تو میں نے آمین کہا،[صحیح الترغیب والترھیب]

یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام اس ماہ کی عبادتوں میں بہت ہی زیادہ محنت فرماتے تھے،اور اسلاف کرام بھی اس مہینہ کا بہت ہی زیادہ احترام کرتے تھے اور اس میں خوب عبادتیں کیا کرتے تھے۔امام مالک کے بارے میں آتا ہے کہ وہ درس وتدریس اور فتویٰ دینے کی مصروفیتوں سے رک جاتے اور سارا وقت تلاوت اور عبادت میں گزارتے۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ عموماً ہفتہ میں ایک بار قرآن ختم کرتے تھے مگر جب رمضان آتا تھا تو ہر ہفتہ میں دو بار قرآن ختم کرتے تھے۔بعض اسلاف رمضان میں عبادتوں کی انجام دہی کے لئے چھ ماہ قبل ہی رمضان پانے کی دعا کرتے اور اس مہینہ سے بھرپور مستفید ہونے کے لئے کافی دنوں قبل ایک بہترین منصوبہ تیار کر لیتے تھے،اس لئے تمام مسلمانوں کو اسلاف کے منہج کو اپناتے ہوئے اس مہینے میں ثابت شدہ عبادات کو کثرت سے انجام دیتے ہوئے اس ماہ کو گزارنا چاہئے۔مثلاً پورے رمضان کے اندر روزے کی پابندی،نماز تراویح کا اہتمام،قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کے ساتھ قرآن کا مطالعہ،صدقہ وخیرات،دعا کا اہتمام،لیلۃ القدر کی تلاش میں آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب بیداری کر کے رات کو عبادت میں گزارنا،اعتکاف میں بیٹھنا،روزہ داروں

کے لئے افطاری کا نظم کرنا، صدقۃ الفطر کی ادائیگی کرنا جیسے ثابت شدہ اعمال کی انجام دہی کے ساتھ اس مہینے کو گزارنا۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کی وضاحت کی جاتی ہے کہ ہماری عبادات میں تسلسل ہونا چاہئے کیونکہ عموماً دیکھنے کو ملتا ہے کہ شروع رمضان میں مساجد نمازیوں اور بالخصوص تراویح پڑھنے والوں سے بھری رہتی ہیں اور پانچ، چھ دن کے بعد مسجدیں خالی ہوجاتی ہیں اور پھر آخری عشرے کی طاق راتوں ہی میں ازدحام دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ اور اس طریقے کی عبادات کی انجام دہی کا ثبوت ہماری شریعت میں نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے اسلاف کے طرز زندگی سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ لہٰذا عبادات کی انجام دہی میں طریقہ سلف ہی کو اپنا اسوہ بنانا چاہئے۔

رہی بات منفی پہلو کی تو رمضان المبارک میں بہت سے اعمال ایسے ہیں جن سے ہر مسلمان بالخصوص ہر روزہ دار کو اجتناب کرنا چاہئے، مثلاً حالت روزہ میں بدزبانی اور لڑائی جھگڑا سے خصوصی طور پہ بچنا چاہئے جیسا کہ نبی ﷺ نے خود اس سے منع فرمایا ہے۔ [بخاری]

اسی طرح بسیار خوری سے احتیاط برتنا چاہئے کیونکہ عموماً رمضان میں کھانے پینے کے بیشمار لوازمات کو انسان اپنے روٹین میں شامل کرتا ہے اور اس پر عمل آوری کی وجہ سے بسا اوقات نماز عشاء وتراویح کی ادائیگی میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور کچھ تو ایسے ہیں کہ ماہ رمضان میں بسیار خوری ہی میں مصروف رہ کر عبادت کی فکر ہی سے محروم رہ جاتے ہیں۔

ایسے ہی اس ماہ مبارک میں اوقات کے ضیاع سے بچنا چاہئے، اور بالخصوص نماز فجر تا طلوع شمس اور نماز عصر تا غروب شمس کے دوران عبادت میں گزارنا چاہئے کیونکہ ان اوقات میں عبادت کی خصوصی تاکید کی گئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا﴾

''یعنی اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر سورج طلوع ہونے سے پہلے اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے''

اور دوسرے مقام پر فرمایا: [طه: ۱۳۰]

﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّکَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ [الدهر: ۲۵]

یہ اور اس کے علاوہ تاکیدات ان اوقات سے متعلق ملتی ہیں مگر بدقسمتی سے جن اوقات کو عبادت کے ساتھ گزارنے کی خصوصی تاکید کی گئی انہیں اوقات کو مرد وخواتین ضائع کر دیتے ہیں، بعد عصر مرد حضرات افطاری کے دسترخوان پر عمدہ چیزوں کے اہتمام میں خریداری میں یہ قیمتی وقت ضائع کر دیتے اور عورتیں شام کے عمدہ پکوان میں اس قیمتی وقت کو ضائع کر دیتی ہیں، ہونا تو یہ چاہئے کہ اس ماہ مقدس میں تمام اوقات بالخصوص بعد عصر عبادات میں گزاریں اور دوسرے ایام میں کھانے پینے اور اہم پکوان کا اہتمام کرلیں تاکہ اس ماہ کو کلی طور پر اپنے لئے مفید بنا سکیں۔

اسی طرح آخری عشرے کی فضیلت میں بیشمار احادیث وارد ہیں، نبی ﷺ خود اس عشرے کی آمد پر عبادتوں کے لئے کمر بستہ ہوجاتے تھے اور اپنے اہل وعیال کو عبادت پر ابھارتے تھے مگر آج آخری عشرہ عید کی تیاریوں کی نذر ہوجاتا ہے، مرد وخواتین عید کے میدان میں چند افراد کے سامنے اپنے زیب وزینت کے اظہار کے لئے رمضان کے اس اہم وقت کو ضائع کر بیٹھتے ہیں حالانکہ اس عید کی تیاری سے زیادہ فکر میدان محشر کے اولین وآخرین کے اجتماع میں زیب وزینت کی ہونی چاہئے اور اس وقت ہمارے لئے زیب وزینت ہماری نیکیاں ہوسکتی ہیں جن کے کمانے کا ایک سنہرا موقع رمضان کا آخری عشرہ ہے جسے ہم اہمیت نہ دینے کی وجہ سے اس کی سعادتوں سے محرومی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

اس ماہ مقدس میں بہت سے افراد سڑکوں پر بھکاریوں کی شکل بنا کر مانگتے پھرتے ہیں اور مسلمان انھیں از روئے ثواب ایک دو روپیہ دیکر بہت بڑی نیکی کی امید میں رہتے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے اضطراری حالت میں بھیک مانگنے کی اجازت دی ہے، مستحق لوگ یقیناً بھیک مانگ سکتے ہیں مگر اکثر رمضان میں پیشہ ور بھکاری ہوا کرتے ہیں، اس لئے بھیک دینے والے اپنے مال کو مستحق افراد کا پتہ لگا کر ان کے گھر پہنچانے کی کوشش کریں تو اس کے عمدہ اثرات عیاں ہونگے، بالخصوص پیشہ ور بھکاری جو اسلام کی شبیہ خراب کررہے ہیں ان سے ہمارا مال محفوظ رہے گا اور دوسرا یہ کہ مستحق افراد تک پہنچ کر ہمارے معاشرے سے غربت کے خاتمہ کا سبب بنے گا، اور تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ جب گھر بیٹھے مسکینوں کو تعاون ملتا رہے گا تو دوسرا روڈ پر بھیک مانگنے سے بچے گا، اور چوتھا یہ کہ صدقات وخیرات کو اللہ نے کسان کے دانے سے تشبیہ دیا ہے جبکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ کسان فصل اگانے کے لئے بیج کہیں غیر مناسب جگہ پر نہیں ڈالتا بلکہ ہموار زمین پر ڈالتا ہے تاکہ بھرپور فائدہ ہو ایسے ہی ہمیں اپنے صدقات بغیر تحقیق کے ہر کسی کو دینے سے بچنا چاہئے، اور مناسب جگہ پر دینا چاہئے تاکہ اس کے دنیاوی واخروی فوائد حاصل ہوسکیں۔

ماہ رمضان میں منکر کاموں میں سے ایک کام یہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ عموماً لوگ تراویح کے بعد ہوٹلوں اور مسجد کے باہری حصے میں گفتگو کرتے ہوئے گزار دیتے ہیں، حالانکہ مناسب تو یہ ہے کہ عشاء کے بعد دینی گفتگو کے علاوہ گفتگو سے پرہیز کیا جائے کیونکہ نبی ﷺ نے عشاء سے پہلے سونے اور عشاء کے بعد غیر ضروری بات کرنے سے منع فرمایا، اس لئے اگر تراویح کے بعد مسجد میں تفسیر قرآن کا انتظام ہو تو اس نشست میں بیٹھ کر قرآنی علم حاصل کریں ورنہ فضول گفتگو کے بجائے سوجانا بہتر ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ آنے والا رمضان ہمارے لئے مفید بنائے، اور ہمیں زیادہ سے زیادہ عبادت کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

کیا رمضان المبارک میں صدقہ کرنا افضل ہے؟

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

الحمد للّٰہ رب العالمین ،والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین،اما بعد:

محترم قارئین! ماہِ رمضان میں سوشل میڈیا پر درج ذیل حدیث امیج کی صورت میں گردش کررہی ہے:

رمضان المبارک میں صدقہ وخیرات:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رمضان المبارک میں صدقہ کرنا افضل ہے'' [سنن الترمذی ، باب ما جاء فی فضل الصدقة ، ح: ٦٦٣]

راقم کہتا ہے کہ یہ روایت ضعیف اور نا قابلِ احتجاج ہے۔ تفصیل پیش خدمت ہے، ملاحظہ فرمائیں:

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ مُوسَى، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ اَنَسٍ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ: ''اَيُّ الصَّوْمِ اَفْضَلُ بَعْدَ رَمَضَانَ؟ فَقَالَ: شَعْبَانُ لِتَعْظِيمِ رَمَضَانَ''، قِيلَ: ''فَاَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: صَدَقَةٌ فِي رَمَضَانَ''

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سوال کیا گیا: ''رمضان کے بعد کون سے روزے افضل ہیں؟ تو آپ نے کہا شعبان کے روزے رمضان کی تعظیم کی وجہ سے''۔ پھر آپ سے کہا گیا: ''کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: رمضان میں صدقہ کرنا افضل ہے''۔

(تخریج) [سنن الترمذی بتحقیق الالبانی :ح:٦٦٣،و فضائل الاوقات للبیهقی بتحقیق عدنان :ص:١١٤، ح:٢٠،و شعب الإیمان له بتحقیق عبد العلی:٣٥٢/٥، ح:٣٥٣٩،و مسند البزار بتحقیق عادل بن سعد:٣٠١/١٣، ح:٦٨٩٠،و جزء فیه سبعة مجالس من امالی ابی طاهر المخلص بتحقیق محمد بن ناصر العجمی،ص:٨٥ ح:٦٤]

(حکم حدیث) اِس کی سند ضعیف ہے۔

(سبب) مذکورہ سند میں صدقہ بن موسیٰ الدقیقی ہیں جو کہ ضعیف راوی ہیں، جمہور ائمہ کرام نے آپ کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اِس کے علاوہ مذکورہ حدیث کا پہلا ٹکڑا صحیح مسلم کی ایک حدیث کے معارض ہے۔

امام حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

”وَيُعَارِضُهُ مَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ مِنْ حَدِيثِ اَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا اَفْضَلُ الصَّوْمِ بَعْدَ رَمَضَانَ صَوْمُ الْمُحَرَّمِ“

”یہ حدیث اُس حدیث کے معارض ہے جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے (اپنی صحیح ،رقم الحدیث:۱۱۶۳ میں) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رمضان کے بعد افضل روزے ماہِ محرم کے روزے ہیں۔[فتح الباری :۲۱۴/۴، تحت الحدیث:۱۹۶۹]

اِس پر مزید یہ کہ صدقہ بن موسیٰ الدقیقی رحمہ اللہ زیر بحث حدیث کو بیان کرنے میں منفرد ہیں۔

امام ابو بکر احمد بن عمرو العتکی ،المعروف بالبزار رحمہ اللہ (المتوفی ۲۹۲ھ) زیر بحث روایت کے تحت فرماتے ہیں:

”وَهَذَا الْحَدِيثُ لَا نَعْلَمُ رَوَاهُ عَنْ ثابتٍ، عَنْ اَنَس إلَّا صَدَقَةُ بن مُوسى“

”ہم نہیں جانتے کہ اِس حدیث کو عن ثابت ،عن انس کے طریق سے صدقہ بن موسیٰ کے علاوہ کسی اور نے روایت کیا ہے“[مسند البزار بتحقيق عادل بن سعد:۳۰۱/۱۳، ح:۶۸۹۰]

زیر بحث روایت سے متعلق علماء کرام کے اقوال:

(۱) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۹ھ)

”هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَصَدَقَةُ بْنُ مُوسَى لَيْسَ عِنْدَهُمْ بِذَاكَ الْقَوِيِّ“

”یہ حدیث غریب ہے اور صدقہ بن موسیٰ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں“[سنن الترمذی بتحقيق الالبانی :ح: ۶۶۳]

(۲) امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۷ھ)

”وَهَذَا حَدِيثٌ لا يَصِحُّ“ ”یہ حدیث صحیح نہیں ہے“[العلل المتناهية فی الاحاديث الواهية بتحقيق ارشاد الحق الاثری :۶۶-۲۶۵، ح:۹۱۴]

(۳) امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸ھ)

”فيه: صدقة بن موسٰى، عن ثابت، عن انس، وصدقة واه“

”اِس حدیث کی سند میں ہے: صدقہ بن موسیٰ ،عن ثابت ،عن انس اور صدقہ سخت ضعیف ہے“[تلخيص كتاب العلل المتناهية لابن الجوزی بتحقيق ابو تميم ياسر ،ص:۱۸۲، ح:۵۲۶]

(۴) علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ:

”ضعيف“ ”حدیث ضعیف ہے“[ارواء الغليل:۳۹۷/۳، ح:۸۸۹]

(۵) شیخ شعیب رحمہ اللہ اور شیخ عبد اللطیف حرز اللہ حفظہ اللہ :

''اسناده ضعيف لضعف صدقة بن موسیٰ''

''اِس کی سند صدقہ بن موسیٰ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے''[فی تحقیق سنن الترمذی:۱۹۹/۲، ح: ٦٦٨]

(٦) شیخ حسین سلیم اسد الدارانی حفظہ اللہ:

''اسناده ضعيف ''''اِس کی سند ضعیف ہے''[فی تحقیق مسند ابی یعلی :١٥٤/٦، ح:٣٤٣١]

(فائدہ) چند احادیث کی کتابوں میں زیر بحث حدیث کا صرف پہلا ٹکڑا ہے۔

دیکھیں: [مسند ابی یعلی بتحقیق الدارانی:١٥٤/٦، ح:٣٤٣١،و العلل المتناهية فی الاحاديث الواهية بتحقيق ارشاد الحق الاثری:٢٦٥_٢٦٥، ح:٩١٤،و شرح معانی الآثار بتحقیق محمد زهری وغیره:٨٣/٢، ح:٣٣٣٠،و مصنف ابن ابی شیبة بتحقیق کمال یوسف :٣٤٦/٢، ح:٩٧٦٣وغیره]

اور شرح معانی الآثار للطحاوی میں زیر بحث روایت صدقہ، عن ثابت کے طریق سے ہی اِن الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

''اَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَعْبَانُ''[شرح معانی الآثار بتحقیق محمد زهری وغیره:٨٣/٢، ح:٣٣٢٩]

(تنبیہ بلیغ) شیخ عدنان القیسی حفظہ اللہ فضائل الاوقات للبیہقی کی تحقیق میں زیر بحث حدیث پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسناده حسن''''اِس کی سند حسن ہے''[فضائل الاوقات للبیهقی بتحقیق عدنان:ص:١١٤، ح:٢٠]

راقم کہتا ہے کہ یہ حکم بلا شبہ نا قابلِ التفات ہے کیونکہ صدقہ بن موسیٰ الدقیقی ضعیف راوی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ شاید آپ حفظہ اللہ نے صدقہ بن موسیٰ کی بابت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے تقریب والے فیصلے پر اعتماد کرتے ہوئے اِن کی اِس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ اگر معاملہ ایسا ہے تو عرض ہے کہ حافظ رحمہ اللہ نے اپنی ایک دوسری کتاب میں صدقہ بن موسیٰ کو ضعیف قرار دیا ہے اور جب ایک امام نے اِن کی توثیق کی تو اُن کا تعاقب کرتے ہوئے دوبارہ اِن کو ضعیف قرار دیا جو اِس بات پر دال ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے اپنے تقریب والے فیصلے سے رجوع کر لیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(خلاصۃ التحقیق) سنن الترمذی کی زیر بحث روایت ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

(آخری بات) ہر مسلمان کو اپنی استطاعت کے مطابق ماہِ رمضان میں کثرت سے سخاوت کرنی چاہیے کیونکہ نبی کریم ﷺ ماہِ رمضان میں بہت زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں موجود ہے۔[صحیح البخاری :٤٩٩٧،و صحیح مسلم :٢٣٠٨]واللہ ولی التوفیق۔

اور یہ متفق علیہ حدیث، سنن الترمذی کی زیر بحث حدیث سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ والحمد للّٰہ علیٰ ذلک.